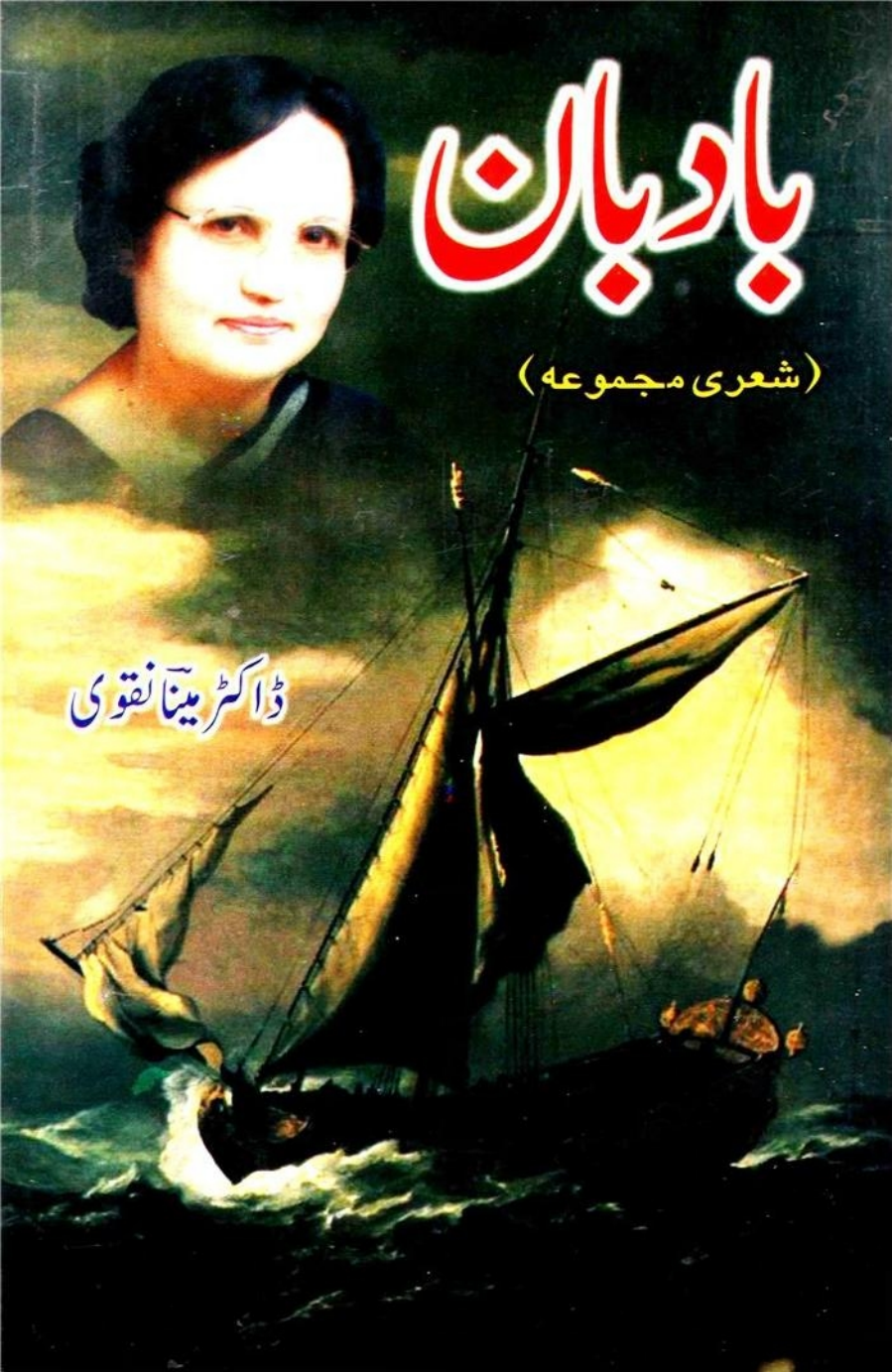
بادبان
(شعری مجموعہ)
ڈاکٹر مینا نقوی

بادبان

زمینِ فکر پہ میری سجادے آسماں یارب
عطا کر علم کی وسعت کا مجھ کو سائباں یارب
رکھوں بادِ مخالف میں بھی اپنا حوصلہ قائم
مجھے اردو کی کشتی کا بنادے بادباں یارب

ڈاکٹر مینا نقوی

پہلے دو مجموعوں ''سائبان''، ''پت جھڑ کا درد'' کی جو پذیرائی ہوئی ہے وہ انشاء اللہ اس مجموعے کی بھی ہوگی پروردگارِ کائنات اپنی اس خالقہ کو شہرت و دولت و ثروت، عزت و صحت اور دلی سکون سے نوازے، اور ان کی اس نئی تخلیق کو ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان میں مقبولیت عطا فرمائے اور اپنی تخلیقات کو منظرِ اشاعت پر لانے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

۷/ جون ۲۰۰۶

دعا گو
ہوش نعمانی

یوں تو اک ٹوٹی ہوئی کشتی کی پتوار ہوں میں
پھر بھی ساحل کی طرف مائلِ رفتار ہوں میں

اس نے شوروم میں یوں رکھا سجا کر مجھ کو
جانتا تھا کہ کوئی جنسِ گراں بار ہوں میں

سب گزر جاتے ہیں ہاتھوں سے چھپا کر آنکھیں
صحرا میں اُڑتا ہوا ریت کا انبار ہوں میں

پستہ قد ہوگئے خوشحالی کے سائے جب سے
سب کی امید کے شانوں پہ گراں بار ہوں میں

کس نے سمجھا ہے گلستاں کا محافظ مجھ کو
سب کی نظروں میں تو چبھتا ہوا اک خار ہوں میں

معترض میں نہیں آزادیٔ نسواں سے مگر
گرتی اقدار سے تہذیب کی بیزار ہوں میں

بھیک میں مانگوں اسے مینا یہ ممکن ہی نہیں
کل بھی لاچار تھی اور آج بھی لاچار ہوں میں

• • •

جلا کر شمع جب وہ غیر کی محفل میں رکھتے ہیں
ہمیں محسوس ہوتا ہے جلن ہم دل میں رکھتے ہیں

وہ مجھ کو یوں نہیں ملتا اسے معلوم ہے شاید
جو آسانی سے مل جائیں بڑی مشکل میں رکھتے ہیں

نکل آئے تھے ہم منجدھار سے لیکن خبر کیا تھی
کئی طوفاں چھپا کے ناخدا ساحل میں رکھتے ہیں

نہ اس نے نیم جاں پہلے کبھی چھوڑا نہ چھوڑے گا
یقیں ہم اتنا اب تک بازوئے قاتل میں رکھتے ہیں

ہمیں ایثار کا جذبہ مزا دیتا ہے جینے کا
مگر کچھ لوگ اپنی زندگی حاصل میں رکھتے ہیں

میں جن رستوں پہ مینا چھوڑ آئی نقشِ پا اپنے
محبت سے قدم راہی اسی منزل میں رکھتے ہیں

• • •

✠

بلندی پر نظر کو جب ٹھہر جانا نہیں آتا
کسی گہرائی میں دل کو اتر جانا نہیں آتا

اسے منزل کو اپنے نام کر جانا نہیں آتا
جسے تاریک رستوں سے گزر جانا نہیں آتا

وہ اپنی آتی جاتی سانسوں کے زنداں کا قیدی ہے
جسے جینے کی خاطر روز مر جانا نہیں آتا

وہ مجھ کو دیکھے تو پائے گا خود کو میری آنکھوں میں
مجھے آئینہ سا خود میں سنور جانا نہیں آتا

مرے اخلاق سے احباب سب ناراض رہتے ہیں
مگر میں کیا کروں مجھ کو سدھر جانا نہیں آتا

کوئی تو بات ہے مینا کوئی تو اُنس ہے آخر
غموں کو چھوڑ کے مجھ کو گزر جانا نہیں آتا

• • •

وقت کے گلشن میں یوں خود کو بدلنا آ گیا
ہر کلی کو پھول کے سانچے میں ڈھلنا آ گیا

میرے غم کی آنچ سے کیوں اس کی آنکھیں نم ہوئیں
کیا کسی پتھر کو گرمی سے پگھلنا آ گیا

کون تھا جو چوٹ کھانے سے بچا لیتا مجھے
ٹھوکریں کھا کھا کے مجھ کو خود سنبھلنا آ گیا

ساتھ رہنے سے ملے گی تازگی ہر ایک کو
خوشبوؤں کو یوں ہوا کے ساتھ چلنا آ گیا

تیرگی جب بڑھ گئی راتوں کو مینا یہ ہوا
بجھ گئی تھی شمع جو اس کو بھی جلنا آ گیا

• • •

✠

گم گشتہ محبت کے، آداب سے لگتے ہیں
لمحات محبت کے، نایاب سے لگتے ہیں

دوراہوں پہ مڑنے کو، بے چین ہیں کیوں رستے
شاید وہ بچھڑنے کو، بے تاب سے لگتے ہیں

احساس کی بوندوں سے، ہو جائیں جو نم آنکھیں
صحرا میں بھی کچھ پتے، شاداب سے لگتے ہیں

تنہائیوں کا بادل، یوں جھوم کے برسا ہے
آنکھوں سے رواں آنسو، سیلاب سے لگتے ہیں

مینا اسے پانے کے، ارمان مرے دل میں
کچھ وہم سے لگتے ہیں، کچھ خواب سے لگتے ہیں

• • •

درد کا سینے میں تم اپنے سمندر دیکھنا
پھر کبھی میری طرح اس میں اتر کر دیکھنا

آئینے لمحوں کے صدیوں میں سجائے اس لیے
تیرے ذکر مختصر کے چند منظر دیکھنا

اس عمارت میں مرے دل کا لہو پیوست ہے
اس مکاں میں تم مرے سپنوں کا اک گھر دیکھنا

کارواں میں ہر مسافر کا ہے فرضِ اوّلیں
راہ میں جو رہ گیا ہے اس کو رک کر دیکھنا

زندگی بھر میری نظروں میں رہی اس کی نظر
وہ پلٹ کر اس کا مجھ کو صرف پل بھر دیکھنا

ایک دن مینؔا انھیں ہونا ہے ذرّوں میں شمار
جن کو بھاتا ہی نہیں اونچا کوئی سر دیکھنا

• • •

✠

لگنے لگا جذبوں کے، سورج کو گہن کیسے
اندھیاروں کا نظروں میں، اُگ آیا ہے بن کیسے

یہ ناگ فسادوں کے، پھیلائے ہیں پھن کیسے
ہے امن کی وادی میں، سانسوں میں گھٹن کیسے

جن پھولوں کو پالا تھا نازوں سے بہت میں نے
ان پھولوں میں در آئی، کانٹوں کی چبھن کیسے

یہ چھین لیا کس نے، سِندور امیدوں کا
بیوہ نظر آتی ہے، خوشیوں کی دلہن کیسے

خود غرضی کے شعلوں میں، احساس کی بستی ہے
بجھ پائے گی گھر گھر میں، بھڑکی یہ اگن کیسے

ہر رات ستاروں کو، اشکوں میں پرویا تھا
شبنم میں اتر آئی، سورج کی جلن کیسے

دکھ درد کے لمحوں کو، وہ پیار میں بدلیں گے
اپنوں سے لگائی ہے، مینا یہ لگن کیسے

• • •

وہ ہر خوشی میں ساتھ تھا جو غم پڑا تو ٹل گیا
کہ سائباں تھا برف کا جو دھوپ سے پگھل گیا

کسی کی گرمیوں سے جب وہ موم سا پگھل گیا
نکھر گیا کسی کا اور کسی کا رنگ ڈھل گیا

تماشہ بین تھے بہت مدد کا ہاتھ اک نہ تھا
تماشہ گاہِ زندگی میں جسم میرا جل گیا

پلک جھپکتے وہ بدل گیا جو اپنا فیصلہ
کسی کی زندگی گئی کسی کا ایک پل گیا

میں تتلیوں کو قید کر تو سکتی تھی نگاہ میں
مگر گلوں کی پرورش میں وقت سب نکل گیا

بڑی عجیب بات تھی خبر نہ مجھ کو ہوسکی
ضرورتوں کا اژدہا تھا جو مجھے نگل گیا

کرن نے نور کی اجالے دے دیے ہیں روح کو
چراغِ مخلصی اگر کہیں پہ مینا جل گیا

• • •

میری تنہائی کا عالم رہ گزر سے پوچھنا
حادثے کتنے ہوئے گردِ سفر سے پوچھنا

تم اگر ہوتے تو محلوں کا سکوں ملتا مجھے
میرے خوابوں میں بسے چھوٹے سے گھر سے پوچھنا

کیوں نہیں اس گھر میں اب تک چھت کا کوئی سائباں
بات دیواروں سے کرنا اور در سے پوچھنا

میرے لٹ جانے میں کتنی بار اس کا ہاتھ تھا
مجھ کو مجبوراً پڑا ہے راہبر سے پوچھنا

چاہ میں تیری نہ جانے کتنے قدموں میں بچھی
راہ کو تکتی ہوئی میری نظر سے پوچھنا

مجھ سے مت پوچھو مرے احساس میں ہے آگ کیوں
دھوپ کی شدت کبھی سوکھے شجر سے پوچھنا

مجھ کو دنیا میں اکیلا کرکے اس کو کیا ملا
جاکے مینا ایک دن اس بے خبر سے پوچھنا

• • •

تو مری طلب کا صحرا، کبھی لالہ زار کرتا
کبھی اعتماد کرتا، کبھی اعتبار کرتا

مِری زندگی سفر میں، اسی آرزو میں گزری
کبھی گھر پہ کاش میرا، کوئی انتظار کرتا

تری کج نظر نے توڑا، ہے مری وفا کا شیشہ
تری بیوفائی کو بھی، کوئی سنگسار کرتا

تو ہے بے خبر جو مجھ سے، یہ کرم بھی کم نہیں ہے
ترا قرض میرے محسن مجھے زیر بار کرتا

یہ گلاب کاغذوں کے یوں سنبھال کر رکھے ہیں
تو ہوا کا بن کے جھونکا، انھیں مشک بار کرتا

وہ تمام جرمِ الفت، جو لگائے مجھ پہ میناؔ
اگر اور کوئی ہوتا اُسے ذمّہ دار کرتا

• • •

منصور عثمانی

مینا نقوی کی شاعری ایک تاثر

آج کے بیشتر شاعر مصروف سخن تو ہیں مگر اس حقیقت سے بے خبر کہ شاعری کی دنیا میں زمین سخت اور آسمان دور ہے آئے دن شہر میں بنتی اور بگڑتی ہیں لہجے ابھرتے اور ڈوبتے رہتے ہیں۔ یہاں اپنی پہچان بنانا اور اپنی آواز کا جادو جگانا آسان کام نہیں ہے لیکن ڈاکٹر مینا نقوی اور ان کے کلام سے ملاقات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ مینا نقوی بڑی حد تک اس حقیقت سے باخبر ہیں۔ انھیں شہرتوں کی تشکیل اور لہجے کی تعمیر سے زیادہ وہ احساس غم عزیز ہے جو ان سے شعر کہلواتا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ ان کی ذات میں چھپے سچ کو اگلواتا ہے۔ اسی لئے وہ ردعمل سے بے نیاز اپنے فکر وخیال کے سہارے ذاتی محرومیوں کے جنگل میں زندگی کے امکانات تلاش کر رہی ہیں اور دنیا سمجھ رہی ہے کہ وہ شاعری کر رہی ہیں ۔

اس آخری مکان کو گرا دے نہ زلزلہ
آجا ستون بن کے مرا گھر سنبھال دے

تمام راستے کانٹوں سے سج گئے کیسے
ابھی تو میں نے فقط سوچا ہے سفر کے لیے

ستانا اور رلانا تو اس کی فطرت ہے
یہ کار خیر اسے بار بار کرنا ہے

اِن اشعار سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے جذبہ واحساس کو ایک نیا خیال بنا کر شعر کے سانچے میں ڈھالتی ہیں ان کی غزلوں میں جو بھی مضامین نظم ہو رہے ہیں بہت صاف اور سلجھے ہوئے انداز میں پڑھنے والوں تک پہنچ جاتے ہیں اور مضمون کی معنوی وسعت بھی آسانی سے واضح

جانے کیوں چراغوں پر، یہ عذاب نازل ہے
سر پھری ہواؤں کا، زور پھر مقابل ہے

رقص اُس کی جیبوں میں، کر رہے ہیں کچھ سکّے
اُس کا اب غریبوں کے، ساتھ چلنا مشکل ہے

آسماں کو جب چاہے، وہ زمیں بنا ڈالے
صرف اس کی نظروں کو یہ کمال حاصل ہے

گِر نہ جائیں ہاتھوں سے، حوصلوں کی پتواریں
کشتیاں شکستہ ہیں، اور دور ساحل ہے

اس کے واسطے میری سوچ یہ غلط نکلی
اس کے سینے میں شاید، میرے جیسا اک دل ہے

داغ آستینوں کے آج تم چھپا لوگے
وقت خود بتا دے گا کون کس کا قاتل ہے

خوبروؤں سے مینؔا، نظریں کون پھیرے گا
حسن سے بھری آنکھیں عشق سے بھرا دل ہے

• • •

جب طلب پر آب کو بے آب ہونا آ گیا
تشنگی کو خود بخود سیراب ہونا آ گیا

دشمنوں کو یوں مرے احباب ہونا آ گیا
ضبطِ غم کا مجھ کو اب اسباب ہونا آ گیا

ساحلوں کی آرزو جب کشتیاں کرنے لگیں
منجمد موجوں کو بھی گرداب ہونا آ گیا

ہاتھ سے آنکھیں چھپائے یوں رہے ہم دم بخود
ریت کے صحراؤں کو سیلاب ہونا آ گیا

میرے ننھے سے دیے کو جگمگاتا دیکھ کر
سر پھرے طوفان کو بے تاب ہونا آ گیا

تیرگی سے عمر بھر مجھ کو محبت یوں رہی
میرے جگنو کو بھی اب مہتاب ہونا آ گیا

جانے مینا کھو گئیں تہذیب کی قدریں کہاں
کیوں حقیقت کو خیال و خواب ہونا آ گیا

• • •

✠

تا عمر پتھروں کے صنم پوجتے رہے
ہم بے سبب کسی کا بھرم پوجتے رہے

پوجا کی رسم ہم نے نبھائی ہے اس طرح
خوشیاں فریب دے گئیں غم پوجتے رہے

جب سے بجھا گیا وہ وفاؤں کے سب دیے
دل میں سجا کے رنج والم پوجتے رہے

پتھر کے دیوتا کی خوشی کے لیے بھی ہم
سر اپنا کرکے خود ہی قلم پوجتے رہے

منزل کی آرزو تھی فقط جن کی آرزو
مینا وہ صرف نقشِ قدم پوجتے رہے

• • •

✠

اک چاند کبھی شب بھر جب تاروں پہ ہنستا ہے
منظر مِرے ماضی کا اندھیاروں پہ ہنستا ہے

وہ شخص نہ جانے گا الفت کے سلیقے کو
بھڑکا کے جو شعلوں کو انگاروں پہ ہنستا ہے

کل بیچ رہا تھا جو سکّوں کے عوض خود کو
وہ آج کھڑا سارے بازاروں پہ ہنستا ہے

سورج ہے وہ ٹھنڈک کی امید سے کیا حاصل
آنگن کو جلاتا ہے دیواروں پہ ہنستا ہے

خود دربدری مینؔا پاؤں میں سسکتی ہے
جب دل مِرا آوارہ بنجاروں پہ ہنستا ہے

• • •

ذرا سا میں نے جو خوشبو کا کاروبار کیا
چمن نے خود کو خزاؤں سے ہمکنار کیا

قسم کِھلا کے مرا اس نے اعتبار کیا
مری وفاؤں نے خود مجھ کو شرمسار کیا

مٹائیں جس نے تصور سے میری تصویریں
اسی کو میرے تخیّل نے شاہکار کیا

کسی زباں سے سنا نام جب محبت کا
عجیب کرب کے خنجر نے دل پہ وار کیا

اسے میں ڈھونڈتی پھرتی ہوں وہ نہیں ملتا
کہ جس نے دامنِ حوّا کو داغدار کیا

خلوص مرگیا چاہت نے خودکشی کرلی
یہ راز مجھ پہ زمانے نے آشکار کیا

کسی غرور نے پربت کو خم کیا میناؔ
کسی کی آنکھ نے پتھر کو اشکبار کیا

• • •

سورج کو بھی مغرب سے نکلتے ہوئے دیکھا
رخ اس کی محبت کا بدلتے ہوئے دیکھا

دن نکلے فراموش کیا جس کو سبھی نے
ہر رات اسی شمع کو جلتے ہوئے دیکھا

ہم جان گئے اس کی محبت کی حقیقت
جب برف کے ٹکڑے کو پگھلتے ہوئے دیکھا

وہ ہونٹوں پہ بارود لیے پھرتا تھا ہر دم
دل میں نے ہر اک لمحہ دہلتے ہوئے دیکھا ہے

تپتا رہا تاعمر جو کردار کا سونا
حالات کی بھٹی میں وہ گلتے ہوئے دیکھا

جب حوصلے سورج کے ہوئے پست تو مینا
دن بھر کی تھکی دھوپ کو ڈھلتے ہوئے دیکھا

• • •

✠

آئینے سے کوئی جانے کیا کہہ گیا
میرا چہرا مجھے دیکھتا رہ گیا

اتنی کمزور بنیاد پر تھا ٹِکا
آئی ہلکی ہوا مِرا گھر ڈھہ گیا

جھیل تھی میری فطرت میں ٹھہری رہی
بہتا پانی تھا دریا کا وہ بہہ گیا

وہ شجر تھا تماشائی طوفان کا
جس کا پتہ ستم در ستم سہہ گیا

تیرگی یوں مقدر بنی رات کا
چاندنی چھپ گئی چاند بھی گہہ گیا

نظریں منزل کی مینا نہیں دیکھتیں
اس سے بچھڑا کوئی راستہ رہ گیا

• • •

دے دیا جس نے پتا اپنا کسی انجان کو
زندگی بھر وہ ترستا ہی رہا پہچان کو

خوشبوؤں سے خالی کرنا ہے اگر گلدان کو
زخمی کر میری انا رکھے وہ اپنی آن کو

جب کبھی سوچا کہ کشتی کو کنارے لے چلیں
آ گئیں انگڑائیاں ٹھہرے ہوئے طوفان کو

آنکھوں میں ہیں خواب زخمی اور تعبیریں لہو
کس طرح دل میں سجا کر رکھیں ہم ارمان کو

دن کی فکریں رات کو کھاتی ہیں گولی نیند کی
چین اک لمحہ نہیں پھر بھی کسی انسان کو

آج تک مینا ہمیں فرصت نہ رونے سے ملی
دوست ہم نے کہہ دیا تھا اک کسی نادان کو

• • •

✠

رنج و الم کی، درد کی پہچان میں رہی
سب کا خلوص دیکھ کے حیران میں رہی

عیش و طرب سے تجھ کو تو فرصت نہ مل سکی
لیکن بچھڑ کے تجھ سے پریشان میں رہی

ہر چال مجھ سے چل گیا خود میرا ہم نوا
اس کے ہر اک فریب سے انجان میں رہی

سانسوں سے میری چلتی رہی ہے جو زندگی
ہاں بس اسی کے واسطے بے جان میں رہی

سائے کا لطف اٹھاتے رہے دوسرے مگر
سارے شجر اگانے کو میدان میں رہی

یہ بات آج کی ہے نہ رغبت نہ وہ خلوص
کل تک تو اس کے دل میں بھی مہمان میں رہی

ہر لمحہ ذہن ودل کو دُکھاتا ہے غم یہی
بس دل لگی کا اس کے جوسامان میں رہی

ساکت سمندروں کے لبوں پر سجی ہوئی
خاموشیوں کے سینے میں طوفان میں رہی

مینا وہ رکھ رکھاؤ رکھا اپنی ذات میں
جس بزم میں گئی ہوں تو ذیشان میں رہی

• • •

ہوجاتی ہے ۔

مجھ کو بس اک جستجو بجھنے کی صورت ہو کوئی
اس کو بس ترک تعلق کا بہانہ ڈھونڈنا

نہ آئے گا تھی خبر پھر بھی انتظار کیا
ٹھہر کے لمحوں نے صدیوں پہ اختیار کیا

میں اس کے اعتبار کی حد میں تھی اس قدر
وہ مجھ کو آزماتا تھا سکہ اچھال کر

یہاں مینا نقوی نے اپنی ذات کو مرکز بنا کر پورے نسائی معاشرہ کی ترجمانی کی ہے جس سے ان کے تجربہ اور مشاہدہ کی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے، دراصل شاعری پر تجزیاتی اظہار کرنے والوں کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ ہر فن کار میں میرؔ و غالبؔ، فیضؔ و فراقؔ اور شاعرات میں پروین شاکر اور کشور ناہید کو تلاش کرتے ہیں جب کہ ایمانداری اور انصاف یہ ہے کہ جس فن کار پر قلم اٹھایا ہے اس کے فکر و فن میں صرف اسی کی تلاش کی جائے۔ مجھے مینا کی شاعری میں ان کی تلاش کا رد شوار نہیں لگتی ۔

آسان ہو حصول تو پھر جستجو کہاں
منزل کو ساری عمر ڈگر کرکے دیکھنا
تم کارواں کے ساتھ تو چلتے رہے سدا
اب ہم سفر بغیر سفر کرکے دیکھنا

یا

نسبت رہی ہے جس کو سمندر کے نام سے
بہلا رہا ہے مجھ کو وہ اک خالی جام سے
ڈھلتا ہے دن تو بڑھتی ہے یادوں کی روشنی
جل اٹھے ہیں چراغ مرے گھر میں شام سے

ان اشعار میں مینا نقوی نے خود کو گم ہونے دیا ہے نہ اپنی ذات کو الجھایا ہے یہی ان کی

✠

بتلا رہے ہیں دل میں چبھے خار آج کل
بدلے ہوئے ہیں پھولوں کے اطوار آج کل

آنکھیں گھٹا ہیں ابر گرجتا ہے درد کا
یادوں کی دل پہ ہوتی ہے بوچھار آج کل

طوفان چھین لے نہ کہیں رات کا سکوں
سہمے ہوئے ہیں شام سے اشجار آج کل

بولی پہ چڑھ کے خود ہی خریدار بکتے ہیں
حیران ہیں یہ دیکھ کے بازار آج کل

اہل ادب کو کیوں نظر آتی نہیں یہ بات
بکتے ہیں چند سکّوں میں فنکار آج کل

بزمِ ادب میں مینؔا ہوا ذکر معتبر
سب کے لبوں پہ ہیں مرے اشعار آج کل

• • •

موجوں کے دل میں آج یہ احساس ہے بہت
ساحل کے خشک ہونٹوں پہ اب پیاس ہے بہت

مجھ سے بچھڑ کے وہ مری سانسوں میں بس گیا
سمجھی تھی جس کو دور وہی پاس ہے بہت

اس نے مجھے جفا سے نوازا ہے اس لیے
اس کو مری وفاؤں پہ وشواس ہے بہت

پھولوں کی خوشبوؤں کے تو حقدار ہیں وہی
کانٹوں کے درد کا جنہیں احساس ہے بہت

کیسے پکاروں اس کو ہوں مجبور اس قدر
خود داریوں کا اپنی مجھے پاس ہے بہت

رسوائی کا، جدائی کا، تنہائی کا الم
یہ وقت زندگی کو مری راس ہے بہت

مینا بغیر اس کے ہے بے چین زندگی
آنکھوں کو اس کے دیکھنے کی آس ہے بہت

• • •

✠

میں تیری طلب نہیں تھی، تری آرزو نہیں تھی
تجھے تلاش تھی جس کی میں وہ خوبرہ نہیں تھی

وہ قدم کی خاک تیرے، جو ہے صحرا صحرا پھیلی
تری ہم سفر تھی لیکن، تری آبرو نہیں تھی

رہی تیرے لب پہ اکثر، بے اثر حسین باتیں
جو دلوں کو جوڑ دیتی، وہی گفتگو نہیں تھی

کیے سارے وعدے جھوٹے، سبھی کھوکھلے تھے دعوے
کوئی سچ کوئی حقیقت، کہیں روبرو نہیں تھی

تھیں اِدھر اُدھر کی باتیں، اور اِدھر اُدھر کے قصّے
مگر اس کے لب پہ مینا، مری گفتگو نہیں تھی

• • •

سورج ڈھلے تو شام کے منظر کو دیکھنا
گزرو جو تم اِدھر سے مِرے گھر کو دیکھنا

گردش میں ساتھ موجوں نے چھوڑا نہیں کبھی
طوفاں کی زد میں آئے سمندر کو دیکھنا

جلنا پڑے گا اس کو وفاؤں کی آگ میں
بارے ہوئے وفاؤں کے لشکر کو دیکھنا

ویرانیاں بھی پاؤ گے خاموش اور اداس
جس کا مکیں نہ ہو کبھی اس گھر کو دیکھنا

دنیا کو عیب جوئی کی عادت سی ہوگئی
دیواروں سے ہٹا کے نظر در کو دیکھنا

ممکن تھا اس کے ساتھ گزرجاتی زندگی
مجھ کو پڑا ہے اپنے مقدر کو دیکھنا

فطرت میں مینؔا اُس کی ملی ہے بس ایک بات
اچھائی میں برائی کے پیکر کو دیکھنا

• • •

✠

رشتے کو کسی نام پہ کر جائیں تو اچھا
ورنہ یہ تعلق سبھی مر جائیں تو اچھا

اپنانے کی ہم کو یہ رکھی شرط کسی نے
ہم اپنے اصولوں سے مکر جائیں تو اچھا

ملتی ہے تو مل جائے انھیں بھیک میں دنیا
ہم ہاتھ کے پھیلانے سے مر جائیں تو اچھا

چاہت تو ہمیشہ رہی جلتے ہوئے دل میں
چھاؤں میں گھڑی بھر کو ٹھہر جائیں تو اچھا

قدموں میں وفاؤں کی لپیٹے ہوئے بندش
ہم راہِ محبت میں گزر جائیں تو اچھا

قتل اپنی خودی کرکے کبھی مانگیں جو قربت
خود اپنی نگاہوں سے اتر جائیں تو اچھا

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

دکھلا کے ہمیں خوف زمانے کے چلن کا
لوگوں نے کہا ہم سے کہ ڈر جائیں تو اچھا

ساکت جو ہوا ہوگئی طوفان کا ڈر ہے
ہم لوگ جو کشتی سے اتر جائیں تو اچھا

عزّت ہی وہ دولت ہے جو جا کر نہیں آتی
یہ دھیان لیے گھر سے اگر جائیں تو اچھا

ڈر چھپ نہ سکے گا کبھی دشمن کی نظر سے
بازار میں بے خوف و خطر جائیں تو اچھا

یہ وقت کی گردش ہی بگڑ جائے نہ مینؔا
سب لوگ اگر خود ہی سدھر جائیں تو اچھا

• • •

چرچے کچھ اس طرح سرِ بازار ہوگئے
حالات اپنے صبح کے اخبار ہوگئے

آنکھوں میں اشک ہونٹوں پہ آہوں کے سلسلے
خوشیوں کے بیچ آہنی دیوار ہوگئے

ہم خوش تھے اس نے راہ کا پتھر کہا ہمیں
ٹھوکر سے اس کی اور بھی سرشار ہوگئے

مجھ کو اکیلا دیکھ کے راہِ حیات میں
غم ساتھ ساتھ چلنے کو تیار ہوگئے

گردش پہ وقت نے جو لکھا میرے نام کو
صدیوں سے سوئے لمحے بھی بیدار ہوگئے

کل تک جو داغ قوم کے رخ پر لگاتے تھے
میناؔ وہ آج قوم کے سردار ہوگئے

• • •

✠

جب ستم حد سے سوا تیرے گزر جائیں گے
سوچنا ہم کو پڑے گا کہ کدھر جائیں گے

عمر بھر ایک تمنا لیے آوارہ پھرے
منتظر اپنا کوئی ہوگا تو گھر جائیں گے

میں نے اس خوف سے پہرے پہ بٹھائیں پلکیں
موتی آنکھوں سے گریں گے تو بکھر جائیں گے

چہرہ ڈھک رکھا ہے یوں جھوٹی ہنسی سے ہم نے
آئینہ سچ جو دکھائے گا تو ڈر جائیں گے

آج موجوں کو اگر ضد ہے ڈبودیں کشتی
دیکھنا کل چڑھے دریا بھی اتر جائیں گے

بگڑی تقدیر تو اس روز بنے گی مینا
راہبر قوم کے جس روز سدھر جائیں گے

• • •

✠

وہ میرے ساتھ پھر اسی تیور کے ساتھ ہے
منظر عجیب سا پسِ منظر کے ساتھ ہے

مجھ پر عیاں، کرگئیں رسوائیاں مری
دیوار میرے گھر کی کسی در کے ساتھ ہے

موجوں کی بے قراری سے محسوس یہ ہوا
تشنہ لبی ہماری سمندر کے ساتھ ہے

اب فوجِ غم کے پاس ہنر ہیں نئے نئے
پسپائی آج نیند کے لشکر کے ساتھ ہے

مشرق کے ساکنوں کو بھی مغرب پسند ہے
اس دور میں یہ مرحلہ ہر گھر کے ساتھ ہے

کامیابی ہے۔ میں چھوٹے بڑے کی بحث میں الجھے بغیر ہر نئے فن کار کو اس لیے خوش آمدید کہتا ہوں کہ شاید اس کی شاعری کسی نئے امکان کا دروازہ کھولے اور میرا یہ نظریہ مجھے کسی مایوس نہیں ہونے دیتا، ہر فن کار کے ہاں اس رخ سے کچھ نہ کچھ نظر آ ہی جاتا ہے۔ مینا نقوی کی شاعری میں مینا نقوی کی تلاش کے عمل نے بھی مجھے اس مایوسی سے بچایا ہے۔ مینا نقوی نے اپنی شاعری کو نشر کی ہواؤں سے بچانے کا اہتمام کیا ہے اور اپنے جذبات واحساسات کو شاعرانہ موسیقی میں ڈھالنے کے لئے بھی محنت کی ہے ؎

میری آنکھوں سے ڈھلتے اشکوں کو
تیرے دامن کی آرزو بھی نہیں
تیری امید جیسی میں بھی نہیں
میرے خوابوں کے جیسا تو بھی نہیں

میرا خیال ہے کہ مینا نقوی کی شاعری کو ان کی فکری وفنی کاوش کے زاویہ سے دیکھنا مناسب ہوگا نہ کہ ان کی شاعری میں کسی بڑے لہجے یا تسلیم شدہ اسلوب کی تلاش کر کے تنقیدی بازی گری میں اپنی رائے کو گم کر دیا جائے۔ یہی بہت بڑی بات ہے کہ مینا نقوی بغیر کسی تام جھام کے ''جو دل پہ گزری ہے رقم کرتے رہیں گے'' کی ڈگر پر تہذیبی احتیاط کے ساتھ گامزن ہیں دعا کرنی چاہئے کہ مینا نقوی کی فکر کا شاہیں تخلیق کے آسمانوں میں یوں محو پرواز رہے کہ زمینوں کو وہ اجنبی نہ لگے۔

میری خواہش ہے کہ سائبان کی طرح مینا نقوی کا یہ مجموعۂ کلام بھی اہل نظر اور اہل ذوق کی توجہ کا مرکز بنے اور ان کی حوصلہ افزائی سے مینا نقوی کا تخلیقی سفر جاری رہے۔

اپنی شکستہ کشتی کنارے پہ لے چلیں
موجوں کا سارا زور سمندر کے ساتھ ہے

منصف کواور کوئی گواہی نہیں قبول
مقتول کا لہو بھی تو خنجر کے ساتھ ہے

مینا اسی کا نام تو ہے دورِ انقلاب
کل کا فقیر آج سکندر کے ساتھ ہے

• • •

✠

نظر سے شام کے سورج کا پیکر ٹوٹ جاتا ہے
تکبر جس کو راس آجائے وہ سر ٹوٹ جاتا ہے

ہمیں معلوم ہے جب وقت کے طوفاں مچلتے ہیں
سفینہ لاکھ ساحل پر ہو لنگر ٹوٹ جاتا ہے

کسی کشتی کو تنہا تو نہیں ملتی ہے گہرائی
اسے غرقاب کرنے میں سمندر ٹوٹ جاتا ہے

کبھی ماں بھوکے بچوں کے لیے بکتی ہے سکّوں میں
کبھی تقدیر کا مارا سکندر ٹوٹ جاتا ہے

ضروری تو نہیں ہر بار میرے پاؤں ہوں زخمی
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پتھر ٹوٹ جاتا ہے

یہ میں نے چاہا خودداری کو پیاسا رہنے دوں لیکن
لبوں تک آنے سے پہلے ہی ساغر ٹوٹ جاتا ہے

اسے غیروں کی نسبت کس قدر مسرور رکھتی ہے
کہ جیسے پا کے رشوت کوئی افسر ٹوٹ جاتا ہے

میں اس کو معتبر یہ سوچ کر کرتی رہی مینا
یقیں جس کا نہیں رہتا ہے وہ گھر ٹوٹ جاتا ہے

• • •

✠

بے بس ہیں ہم جو پیار کی ہلچل کے سامنے
جذبوں کی بات کرتے ہیں پاگل کے سامنے

پوچھو فلک مقام سے اس کی بلندیاں
جب سرپھری ہوائیں ہوں بادل کے سامنے

ہم نے حیا کی رسم ہمیشہ نبھائی ہے
یوں سرخرو ہیں آج بھی آنچل کے سامنے

جس کی ہمارے خون سے رنگین تھی زمیں
تاعمر ہم رہے اسی مقتل کے سامنے

دربار دل کا یادوں کے درپن سے سج گیا
حاضر ہیں اشک آنکھ کے کاجل کے سامنے

مستی تری حیات کی مینا گئی کہاں
سوکھی ندی سے پوچھنا جنگل کے سامنے

• • •

حالات نے جو جھکنے پہ مجبور کردیا
میری انا نے خود سے مجھے دور کردیا

افسوس ہے پروں کو شکاری نے باندھ کر
اڑنے سے اک پرند کو معذور کردیا

محفل میں جلتی شمع کی جگ مگ کو دیکھ کر
اس نے چراغِ خانہ کو بے نور کر دیا

دیکھی لچک وفا کی تو اس نے مرے لیے
سر کو جھکا کے رکھنے کا دستور کر دیا

میناؔ نمک سے کم نہیں جھوٹی تسلیاں
چھوٹا سا زخم تھا جسے ناسور کردیا

• • •

✠

سحر سے سر چڑھا ہے دیکھ وقتِ شام کیا ہوگا
ہمیں معلوم ہے سورج ترا انجام کیا ہوگا

ہمیں وہ بے وفا کہہ کر کنارہ کرگیا ہم سے
ہمارے واسطے اس سے بڑا الزام کیا ہوگا

جہاں لاشوں پہ مسجد ہو جہاں لاشوں پہ مندر ہو
وہاں اللہ کیا ہوگا وہاں پر رام کیاہوگا

کہا تھا میں نے اس کو قیمتی اک مرتبہ تب سے
وہ سب سے پوچھتا پھرتا ہے اس کا دام کیا ہوگا

وہ اہلِ دل نہیں ہیں صرف شعری فن سے واقف ہیں
جوہم پر ہورہا ہے ان پہ وہ الہام کیا ہوگا

سوائے اپنے دل کے تم کسی کی مت سنو مینؔا
نہ یہ سوچو منافق شخص کا انجام کیا ہوگا

• • •

✠

تری قربتوں کے وہ قافلے مجھے چھوڑ کر جو نکل گئے
تری بے رخی کے قدم تلے مرے سارے جذبے کچل گئے

تری شکل مجھ کو نہ مل سکی کبھی بند آنکھوں کے درمیاں
وہ مہیب راتوں کے رت جگے مرے خواب سارے نگل گئے

تری غفلتوں نے یہ کیا کیا، ہوئے صحرا صحرا یہ جان و تن
اے چمن کے پھولوں کے باغباں ترے پھول دھوپ میں جل گئے

یہ بدلتا وقت بتا گیا، نہیں سایہ کوئی بھی معتبر
ملے سائباں وہ بھی موم کے جو تپش لگی تو پگھل گئے

میں زمیں کو چھوڑ کے اس لیے، کبھی آسماں پہ نہ جا سکی
کبھی چاہا مانگوں بلندیاں، تو انا کے پنچھی مچل گئے

ہے عجیب اشکوں کا واقعہ، کہوں کس سے میناؔ یہ سانحہ
جو ملیں نہ پیار کی انگلیاں تو وہ عارضوں پہ پھسل گئے

• • •

✠

جب گماں دل سے محبت کا نکل جاتا ہے
اپنے ہونے کا یقیں خود مجھے چھل جاتا ہے

اپنے ہونٹوں پہ نہ الفاظ کے شعلے رکھو
دل مرا سرد نگا ہی سے بھی جل جاتا ہے

مجھ کو حیرت ہے جدائی سے نہیں ٹوٹا وہ
ٹھیس لگنے سے تو پتھر بھی دہل جاتا ہے

پتہ گرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے
ہاں، مگر پیڑ کا چہرا تو بدل جاتا ہے

ساتھ جب دیتا ہے انساں کا مقدر اس کا
خودبخود وقت گھڑی بھر میں سنبھل جاتا ہے

دھوپ چٹان کے سینے میں اترجاتی ہے
سائباں برف کا سورج سے پگھل جاتا ہے

عقل کب مانتی ہے کوئی بہانا مینا
دل ہی نادان ہے باتوں سے بہل جاتا ہے

• • •

پاس ہو تم احساس ہوگیا
تنہا ہونا راس ہوگیا

ناگ بنے سب رشتے ناطے
وِش جیسا وشواس ہوگیا

راج تلک اشکوں کا کرکے
خوشیوں کو بن باس ہوگیا

بوند ندی کے پاس کیا آئی
سوکھا بادل پیاس ہوگیا

یادوں کی کلیاں چٹکیں تو
سانسو میں مدھو ماس ہوگیا

جیون میں خوشیوں کا اک پل
بِن آئے اتہاس ہوگیا

اس کے جانے سے اے مینا
افسردہ اُلاس ہوگیا

• • •

تعارف

نام : ڈاکٹر منیر زہرا

تخلص : مینا نقوی

تاریخ پیدائش : ۲۰ رمئی ۱۹۵۵ء

تعلیم : ایم.اے (ہندی، انگریزی، سنسکرت،)

بی.اے.ایم.ایس

پتہ : پوسٹ اغوانپور، مراد آباد (یو پی)

فون نمبر : 0591-2511211

موبائل نمبر : 093192-32517

مشغلہ : طبّی پریکٹس

تخلیقات : سائبان (شعر [illegible]

درد [illegible]ت جھڑ [illegible]

نظمیں [illegible] میں شائع

مصروفیات : ادبی [illegible] میں حصہ داری

حرفِ چند

ڈاکٹر مینا نقوی نسائی شاعری کی ایک توانا آواز ہے۔ انھوں نے نسائی جذبات اور خیالات کو نیا روپ نیا رنگ اور نیا موڑ عطا کیا ہے۔ وہ اپنی بسیط سوچ سے زندگی کی افہام وتفہیم کی اپنے قلم سے تصور کرتی ہیں۔ اور اپنے فکر وخیال سے شاعری کے سمندر میں آب دار موتی چن کر لائی ہیں۔ جو ہمیشہ اپنے آب وتاب سے روشن رہیں گے۔ ان کی شاعری ایک ایسی عورت کا فلسفہ ہے، جس میں آگ بھی ہے، دھواں بھی ہے، چاندنی کی ٹھنڈک اور گرمی کی تپش بھی ہے، پھولوں کی خوشبو بھی، کریلے کی سی کڑواہٹ اور شہد کی مٹھاس بھی ہے۔ کبھی شاخ زیتون اور گلاب کی ڈالیاں نظر آتی ہیں تو کبھی خنجر تو کبھی نشتر دکھائی دیتا ہے۔ سردیوں کی دوپہر اور گرمیوں کی راتوں کا سا لطف پوشیدہ ہے۔ ان کی شاعری ایک ایسا تنور ہے جس میں خود بھی جلتی ہے اور سماج بھی جلتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ عورت زمینی اوصاف کی حامل ہوتی ہے۔ وہ فرمانبردار ومطیع ہوتی ہے۔ اس میں سکون، اطمینان، فرحت اور خود سپردگی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ عورت کا استحصال ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ آج بھی ہو رہا ہے۔ اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ مینا نقوی کی شاعری تانیثیت کے حق میں ایک نئی آواز بن کر ابھر رہی ہے۔ جو مردوں کے سماج میں لڑنے میں کوشاں ہے۔ مردوں کے قائم کیے ہوئے جابرانہ وحاکمانہ نظام کے خلاف علم بلند کر دیا ہے۔ مردوں کے بے وفائیوں، امریت، جبریت، انانیت، بے زبان عورت پر مرد کی بالادستی، عورت کی ہنسی پر تالے، عورت کی عصمت پر مرد کی جسمانی عیاشی، مردوں کے مردار چہرے، جنسی بھوک، مکاری، دروغ گوئی، بربریت، بوالہوسی استحصال، اجارہ داری کے خلاف ایک اعلان جنگ ہے۔

مہ لقا بانو، چندا اور زیب النساء مخفی سے لے کر پروین شاکر تک ایک شعری کائنات

ہے۔ انہی شعری روایات کی تجدید مینا نقوی نے کی ہے۔ ان کا تخلیقی سفر جاری ہے۔ جو اپنے تجربوں کو نچوڑ کر پیش کرتی ہیں۔ انھوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ عہد حاضر میں کسی بھی مرد شاعر سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے۔

شاعرات نے غزل، مرثیے، قصیدے، نعتیں، منقبتیں، رباعیات، پابند نظمیں، آزاد نظمیں، ہائیکو ماہیے آزاد غزل کی تجربے کر چکی ہیں۔ اصلاحِ زبان کا کام بھی شاعرہ نے کیا ہے۔ کنیز فاطمہ اور عرفانہ عزیز نے کلام کی اصلاح بھی کی ہے۔ لیکن تعجب ہوتا کہ اب تک کوئی عورت نقاد اردو ادب میں نظر نہیں آئی اور ایسا کبھی بھی نظر نہیں آیا کہ کسی خاتون قلم کار نے اپنی ہم عصر شاعرہ کی تعریف کی ہو۔

مینا نقوی کا دائرہ فکر دوسری شاعرات سے بالکل جداگانہ ہے ان کے شعور کا کینوس سارا عالم ہے اسی میں اس کے ذات کی داخلی وحدت، احساس کی صداقت، مبہم تصورات اور خیالی پیکر شامل ہے۔ مستور خیالات اور تصاویر کو سامنے لا کر شعر کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ذات اور کائنات کی تفہیم کی ہے۔ زندگی کی حقیقی جذبوں کا اظہار ہے۔ محبت سے لبریز جذبوں کی آئینہ داری کی ہے۔ زندگی کی حقیقی جذبوں کا اظہار۔ محبت سے لبریز، جذبوں کی آئینہ داری کی ہے۔ زندگی کی سچائیوں کو اور تجربوں کو تخلیقی سطح پر لا کر پیش کیا ہے۔ سماجی تہذیبی، معاشرتی مسائل کو اپنی سوچ وفکر سے دائمی محبت کے جذبوں، معاملات حسن وعشق، واردات قلبی، درد محبت کا رشتہ، معاشرتی برائیاں، فریب۔ آج کی عورت کے مسائل اس کے جوش وجذبہ احساسات وجذبات سماجی اور جنسی مسائل کو اپنی کھلی آنکھ سے دیکھا پرکھا، جانچا، سوچا، جانا، غور کیا اور پھر اپنے قلم کی نوک سے قرطاس پر لے آیا ہے۔ ان کی غزلوں میں دردمندی کا احساس غم آگہی کا احساس، غمِ آگہی کا احساس، زندگی کی صعوبتوں کا احساس دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے زندگی اور معاملاتِ زندگی کو برتتے ہوئے اپنی دانش کا اظہار کیا ہے۔ فرد، سماج اور معاشرے سبھوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کیا ہے۔ ان کی شاعری جمالیاتی پس منظر میں پھیلتی پھولتی نظر آتی ہے۔ یہ جمالیاتی ارتباط چاہے ذاتی ہو، زمانے یا سماج کا ہو، کائنات کا، یا عالم کا حسن وعشق ہو۔ اپنی شاعری میں اس عورت کی تصویر دکھائی دیتی ہے جو معاشرے میں اپنے وجود کے تسلیم کیے جانے کی جنگ لڑ رہی ہے۔ ان کی شاعری ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ایک چہرہ کو روبرو لائے تو سات درست چہرے نظر آتے ہیں۔

مینا نقوی کی شاعری کے موضوعات کافی وسیع ہیں۔ کلاسیکی رنگ غالب اور عصری حسیت میں بھی نمایاں ہے۔ بعض جگہ لفظیات کی خوش سلیقگی سے عنایت پیدا کی ہے۔ بیان کی سبک رو اور جدیدیت سے فکر و احساس انداز اسلوب بھی حامل ہے۔

ان کی شاعری کا ان کا اپنا ایک الگ قد ہے۔ اس کا عکس اس کا نور چاروں اور ضرور بکھیر جاتا ہے۔ وہ مستقبل کی نسائی شاعری کی درخشاں سیارہ ہے۔ اکیسویں صدی کے تانیثی ادب میں ان کی نقش گری قائم رہے گی۔

صدر شعبۂ اردو
گورنمنٹ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس
قلعہ ارک، اورنگ آباد۔ ۴۳۱۰۰۱ (مہاراشٹر)

یوسف قریشی

اظہار

ہیں آپ وسعتوں کے نئے آسمان میں
ہیں کامیاب علم کے ہر امتحان میں
پت جھڑ کا درد سہتی ہے ٹہنی وہ آپ ہیں
ہیں آپ سائبان میں اور بادبان میں

نہ تو میں کوئی ادیب ہوں نہ شاعر اور نہ ہی ایسا کوئی نام جسے لوگ جانتے یا پہچانتے ہوں لیکن محترمہ ڈاکٹر مینا نقوی صاحبہ کا یہ حکم کہ ''میری کتاب کے لیے تم کچھ لکھو، مجھے ان کے بارے میں کچھ لکھنے کی جسارت کرنی پڑی۔ میں ڈاکٹر مینا نقوی صاحبہ کو برسوں سے جانتا تا ہوں لیکن کچھ قریب سے جاننے کا شرف جب مجھے ملا جب ۱۹۹۵ میں وہ اغوان پور کی پردھان بنائی گئیں۔ گاؤں کا پردھان ہونا ان کے لیے کوئی خاص بات نہ تھی کیونکہ اس سے پہلے ہی وہ سماج میں ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن پردھان ہونا ان کے لیے ایک نئے تجربے کا باعث ضرور ہوا۔ ان کی انھیں مصروفیات نے مجھے محترمہ ڈاکٹر مینا نقوی کو نزدیک سے جاننے کا موقعہ عطا کیا۔ میں نے دیکھا کہ محترمہ اپنی ڈاکٹری، سماجی اور سیاسی مصروفیات کے ساتھ کچھ لکھنے کا بھی شغل رکھتی ہیں لیکن کاغذوں پر لکھ کر چھوڑ دیتی ہیں۔ میں نے جب انھیں پڑھا تو جانا کہ وہ ایک سنجیدہ اور باکمال شاعرہ بھی ہیں۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں کوئی شاعر یا ادیب نہیں ہوں لیکن ادبی لوگوں کی صحبت نے مجھے ادب کا اچھا سامع اور قاری ضرور بنا دیا ہے۔ میں نے سوچا کہ محترمہ مینا نقوی کی تخلیقات کو اگر یکجا کر دیا جائے تو بہت اچھے شعری مجموعے ظہور میں آسکتے ہیں۔ بس میں نے اجازت لے کے یہ کام شروع کر دیا۔ ڈاکٹر صاحبہ روز ہی شام کو سب لوگوں سے ملنے اور بات کرنے کے لیے بیٹھتی تھیں اور میں شام کو جتنا ممکن ہوتا ان کی غزلیات تو صاف صاف نوٹ بک میں تحریر کر دیتا۔ یہاں تک کہ ان کے پہلے مجموعہ ''سائبان'' وجود میں آگیا۔

جس دن سائبان کا اجراء ہوا وہ دن میرے لیے انتہائی خوشی کا دن تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحبہ کے اس مجموعے کے چھپنے میں میرا بھی ہاتھ تھا۔ جس کا ڈاکٹر صاحبہ نے بے حد خوش دلی سے اس کا اعتراف اپنی کتاب میں کیا ہے۔ یہ میرے لیے اعزاز سے کم نہیں ہے۔ ان کا دوسرا مجموعہ ''دریت جھڑ کا'' ہندی رسم الخط میں چھپا۔ اس کو بھی میں نے اردو میں ان کی نوٹ بک میں لکھنے کا شرف حاصل کیا۔ دو مجموعے چھپنے کے بعد ڈاکٹر مینا نقوی کی شاعری میں روز بروز نکھار آتا رہا ہے اور اب ان کا تیسرا مجموعہ ''بادبان'' چھپنے کی منزل میں ہے۔

ڈاکٹر مینا نقوی صاحبہ کی شخصیت کے بارے میں کیا کہوں؟ ان کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اتنا ہنسنے ہنسانے والے خوش مزاج خاتون کے دل میں اتنا درد ہے جو کاغذ پر سیاہی کے اشکوں میں پھیل جاتا ہے، وہ گھر کی تمام ذمہ داریوں کے باوجود ادبی، سیاسی اور سماجی حلقوں میں بھی اپنی ذمہ داری بخوبی نبھاتی ہیں۔ یہ سب باتیں مجھے بہت متاثر کرتی ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ ان کا شاعرہ کا روپ پسند آتا ہے جو بظاہر ان کو تمام چہروں سے الگ کرتا ہے ان کی شاعری میں کوئی بناوٹ یا تصنع نہیں ہے وہ دل سے شعر کہتی ہیں جو سیدھے دل میں اتر جاتے ہیں۔ اس لیے میں ان کی شاعری کو سچی شاعری کہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ محترمہ ڈاکٹر مینا نقوی صاحبہ کا قلم اسی طرح چلتا رہے اور وہ شاعری کی راہوں پر چلتے ہوئے ادب کی نئی منزلیں طے کرتی جائیں۔ آمین

اغوان پور، مراد آباد

مینا نقوی: ایک احساس

ڈاکٹر مینا نقوی صرف ایک نام نہیں ایک احساس ہے۔ ایک مکمل احساس جو زندگی سے بھرپور بھی ہے اور عزم و ہمت کا عکاس بھی۔ ان کے یہاں یاسیت نہیں بلکہ ایک میٹھا سا درد ہے ایک چبھتا ہوا سا پیکان ہے جو خاص انھیں نازک رگوں کو چھیڑتا ہے جو زخمی نغمہ کی طرح جھن جھنا اُٹھتی ہیں۔ ایک معصوم، بلا کی فہم و فراست سے معمور، نہ جانے کتنے سربستہ راز دل میں چھپائے نازک سی ہستی لفظ معنی سے تمام جبلتوں کے ساتھ اس طرح ہم کلام ہوتی ہے ؎

جو سارے گھر کی امیدوں کا بوجھ تھا مجھ پر
ضرورتوں نے میرا عمر بھر طواف کیا

مری زندگی سفر میں اسی آرزو میں گذری
کبھی گھر پہ کاش میرا کوئی انتظار کرتا

دو قدم کوئی مرے ساتھ نہیں چل پایا
ہم سفر میرے مرے پاؤں کے چھالے نکلے

سب گذر جاتے ہیں ہاتھوں سے چھپا کر آنکھیں
ریت کا اڑتا ہوا صحرا میں انبار ہوں میں

یہ ان کی ذات کا صحرا، یہ دشت، یہ سمندر، سب کے سب تشنگی کا منظر بن کر ابھرتے ہیں۔ لیکن وہ اس کرب و بلا میں جھلستی دھوپ تلے سورج کو ہی سائبان کرنے کا ہنر جانتی ہیں ؎

جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ ہیں

نام : ڈاکٹر منیر زہرا
تخلص : مینا نقوی
تعلیم : ایم.اے (ہندی، انگریزی، سنسکرت،) بی.اے.ایم.ایس
پتہ : پوسٹ اغوانپور، مرادآباد (یوپی)
فون نمبر : 0591-2511211
موبائل نمبر : 093192-32517
تلمیذ : جناب ہوش نعمانی رامپوری

اشاعت اول: ۲۰۰۷ء
تعداد : ۱۰۰۰
کمپوزنگ : رہبر کمپیوٹرز، ۲۹۳۶۔ کلاں مسجد، ترکمان گیٹ، دہلی۔۶
مطبوعہ : رہبر آفسیٹ پرنٹرز، گلی قطب الدین ترکمان گیٹ، دہلی۔۶
ناشر : رہبر کارنر، ۲۹۳۶۔ کلاں مسجد، ترکمان گیٹ، دہلی۔۶
قیمت : ایک سو پچاس روپے

Baadbaan
By : Dr. MEENA NAQVI
Edition : 2007 **Rs : 150/-**

تم کارواں کے ساتھ تو چلتے رہے سدا
اب ہم سفر بغیر سفر کرکے دیکھنا

وہ لمحہ بھر کی ہنسی اور عمر بھر کا الم
اے زندگی لے تیرا قرض بھی اتار دیا

تیرگی سے عمر بھر مجھ کو محبت یوں رہی
میرے ہر جگنو کو اب مہتاب ہونا آ گیا

ضروری تو نہیں ہر بار میرے پاؤں ہوں زخمی
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پتھر ٹوٹ جاتا ہے

اپنے ہونے کا گماں مینا ہمیں اکثر ہوا
دھوپ میں جلتا ہوا جب سائباں دیکھا کیے

اس روز سے سفر میں سلیقہ نہیں رہا
جس دن سے کوئی پاؤں میں چھالا نہیں رہا

سورج مرا تھا دھوپ بھی مجھ کو قبول تھی
کیوں مجھ پہ وقف اس کی تمازت نہیں رہی

یہی حوصلہ ان سے اس طرح کے بے ساختہ اشعار بھی کہلواتا ہے۔

تیری امید جیسی میں بھی نہیں
میرے خوابوں کے جیسا تو بھی نہیں

رقص اس کی جیبوں میں کر رہے ہیں کچھ سکے
اس کا اب غریبوں کے ساتھ چلنا مشکل ہے

اسے میں ڈھونڈتی پھرتی ہوں وہ نہیں ملتا
کہ جس نے دامنِ حوا کو داغ دار کیا

جب کبھی سوچا کہ کشتی کو کنارے لے چلیں
آ گئیں انگڑائیاں ٹھہرے ہوئے طوفان کو

مجرمِ وقت ہے گر اس کی شکستہ پائی
مرے قدموں تلے اس کا بھی سفر رکھ دینا

ڈاکٹر مینا نقوی واقعتاً فطری شاعرہ ہیں۔ ان کے یہاں آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔ وہ تجربہ کی بھٹی میں لفظ گلا کر نئے سانچوں میں ڈھالتی ہیں تو وہ بھی آپ بیتی بن جاتی ہے۔ ان کی غزل آج کی غزل ہے، ان کا لہجہ آج کا لہجہ ہے۔ وہ جیسا محسوس کرتی ہیں بہت سلیقے سے سپردِ قلم کر دیتی ہیں۔ اس لیے سچائی اعصابی خلل یا بدنما نہیں لگتی بلکہ بہت خوبرو بہت جامع اور موزوں محسوس ہوتی ہے جو لمحۂ فکریہ کے لیے تحریک بن جاتی ہے۔

سچ کو سولی تلک پہنچنا ہے
یہ خطا درگذر نہیں ہوتی

جب سویرا ہوا.....

جب سے شعور کی آنکھ بیدار ہوئی اپنے احساس کو شاعری کے اجالے سے پرنور پایا۔ شروع میں میری شعری تخلیقات میری کم تو جہی کی وجہ سے اخبار کے کونوں، رسالوں کے صفحوں، مریضوں کے رجسٹر اور نسخوں پر منتشر رہیں۔ لیکن میرے ایک کرم فرما جناب یوسف قریشی کی محنت نے اس منتشر شیرازہ کو یکجا کیا جو میرے پہلے مجموعے ''سائبان'' کی شکل میں ۹ ستمبر ۲۰۰۴ء کو جگر ڈے کے موقع پر منظرِ عام پر آیا۔ سنجیدہ ادبی حلقوں کی جانب سے ''سائبان'' کی پذیرائی میرے لیے انتہائی حوصلہ افزا ہوئی جس سے متاثر ہو کر ایک سال کے قلیل عرصے میں ہی میرا دوسرا شعری مجموعہ ''درد پت جھڑ کا'' کا اجرا بھی ۹ ستمبر ۲۰۰۵ء کو جگر ڈے پر ہی منعقد ہوا۔ ''سائبان'' کی کوئی بھی تخلیق ''درد پت جھڑ کا'' میں نہیں ہے۔ میں اپنے قارئین کی تہہِ دل سے مشکور ہوں کہ انھوں نے میری شاعری اور کتابوں کا والہانہ استقبال کیا۔ میں نے تو سنا تھا کہ لوگ شاعری کی کتابیں خرید کے نہیں پڑھتے اور شاعروں کو قارئین میسر نہیں آتے۔ میں اس تاثر کی وجہ سے اطمینان سے بیٹھ گئی تھی اور سوچ لیا تھا کہ میرا کام ختم ہوا۔ لیکن سال پورا ہونے سے پہلے ہی ''سائبان'' کی ساری جلدیں ختم ہو گئیں۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید ''درد پت جھڑ کا'' کو ''سائبان'' جیسی پذیرائی میسر نہ ہو لیکن اس کو بھی اہلِ نظر اور اہلِ فن نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور خریدا۔ مختلف اخبارات اور رسائل نے میری کتابوں کے تبصرے شائع کیے اور قارئین کے بے شمار خط مجھے موصول ہوئے۔

مجھے یہ کہنے میں قطعی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ شاعری میری زندگی ہے، بغیر شاعری کے میں اپنا سانسوں کا تصور تک نہیں کر سکتی لیکن میری شاعری اور میری تخلیقات میرے دل کا آئینہ ہیں، دماغ کا نہیں۔ اس لیے مجھے اکثر یہ محسوس ہوتا کہ میں غزل نہیں لکھتی بلکہ غزل مجھے لکھتی ہے۔ زندگی کے ناہموار راستوں سے گزرتے ہوئے ناپسندیدہ حالات میں جیتے ہوئے خود کو زندہ رکھنا

اور اپنے زندہ رہنے کا ثبوت دیتے رہنا کس قدر مشکل کام ہے اسے ایک حساس دل اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

بہر کیف..... اب یہ تیسرا شعری مجموعہ بادبان آپ کے سامنے ہے۔ پچھلے دونوں شعری مجموعوں ''سائبان'' اور ''درد پت جھڑ کا'' کی کوئی بھی غزل بادبان اس میں نہیں ہے۔ میں ان مجموعوں کی اشاعت کے لیے عالمی شہرت یافتہ انتہائی ممتاز شاعر اور ناظمِ مشاعرہ جناب منصور عثمانی کی انتہائی شکر گزار ہوں، جنھوں نے میرے تینوں مجموعوں کی اشاعت میں مجھے نہ صرف اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا بلکہ ہر قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔ میں بے حد شکر گزار ہوں جناب کرشن کمار ناز کی جو ایک مقبول شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد اچھے انسان بھی ہیں اور جنھوں نے میرے ادبی سفر میں قدم قدم پر میری مدد کی، میں شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں اپنی بے حد عزیز اور ہم مزاج ممتاز ادبی اور سماجی شخصیت محترمہ قمر قدیر ارم صاحبہ کا جن کا ساتھ ہمیشہ میرے ذوقِ ادب اور فکر وفن میں نئے سروں کو بوتا رہا۔ جناب یوسف قریشی کی میں تا زندگی ممنون رہوں گی جن کی توجہ کی وجہ سے میں اور میری شاعری منظر عام پر آسکی۔ میں تہہ دل سے احسان مند ہوں جناب ڈاکٹر حسن نظامی، جناب ڈاکٹر شریف احمد قریشی، جناب پروفیسر اوم راز، جناب احد اللہ آزر، جناب عتیق جیلانی سالک، جناب مرتضیٰ ساحل، جناب عبداللہ خالد، جناب مونس بریلوی، جناب ضمیر درویش صاحب کی جنھوں نے میری شاعری پر اپنے گراں قدر تاثرات کا اظہار اپنی تحریر کے ساتھ فرمایا۔ میں اپنی شکر گزاری کے جذبے کا اظہار جناب مختار زیدی اور ڈاکٹر لطیف سبحانی اور جناب دانش الہ آبادی کے لیے کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں جنھوں نے مختلف رسائل اور اخبارات میں میری کتابوں کے تبصرے لکھے..... اور میں سب سے زیادہ احسان مند ہوں دنیائے علم وادب کی عظیم ہستی محترم جناب ہوش نعمانی رام پوری کی جنھوں نے مجھے شاعری کی راہوں پر چلنے کا حوصلہ دیا اور میری رہنمائی کی۔ اور اپنی تمام تر شفقتوں کے خزانے مجھ پر لٹا دیے۔ میری دعا ہے کہ ان کی سرپرستی اور رہنمائی مجھے ہمیشہ حاصل رہے۔

میں ان تمام اہل علم حضرات کی بھی احسان مند ہوں جنھوں نے مجھے اور میری شاعری کو اپنی محبتوں اور دعاؤں سے نوازا۔ آمین

بادبان آپ کے سامنے ہے..... پڑھیے..... مجھے آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

ڈاکٹر مینا نقوی

حمد

تیری محتاج ہوں بس تیری ہی محتاج رہوں
ہاتھ جو پھیلے تو بس تیری طلب میں پھیلے

میری ہر سانس ترے نام ہی آئے جائے
جب مری آنکھ کھلے تیری طرف ہی دیکھے

جب مرے ہونٹ ہلیں حمد و ثنا ہو تیری
پاؤں اٹھے تو خدایا تری جانب ہی اٹھے

نعت

آپؐ ہی باعثِ تخلیقِ جہاں ہیں آقاؐ
آپؐ ہی سارے جہانوں کا نشاں ہیں آقاؐ

آپؐ کی نعت کی خاطر بنے قرطاس وقلم
آپؐ کا عرش معلیٰ پہ تیرا بیاں ہے آقاؐ

منقبت

اے شہنشاہِ شہیداں ترا پیغامِ وفا
تاقیامت ہے اندھیروں کو مٹانے والا

جب کبھی اور کہیں پر سرِ باطل اٹھا
بس ترا نام رہا اس کو جھکانے والا

ترانہ

مرے وطن کا ہر اک ذرّہ ہے مرا محبوب
وطن کے واسطے مرنا ہی اصل جینا ہے

ہمالہ دل ہے تو گنگ و جمن مری آنکھیں
پہاڑ ہیں مری باہیں زمین سینہ ہے

غزلیں

میں تشنگی کے سفر میں بہت اکیلی تھی
غزل نے بڑھ کے مِرے غم سے آشنائی کی

قرض لے کے کچھ سانسیں، زندگانی لائے ہیں
پھر بھی لوگ چاہت کو آنی، جانی لائے ہیں

جب سمندروں پر دی میری پیاس نے دستک
تشنگی بجھانے وہ، تلخ پانی لائے ہیں

اس برس مرے دل کے، زخم اور مہکیں گے
بے رخی کے کانٹوں پر، وہ جوانی لائے ہیں

پھولوں کی نگہبانی، اب تمھارا ذمہّ ہے
اس چمن میں ہم مٹ کر، شادمانی لائے ہیں

سامنے رہے اس کی، بات کا بھرم قائم
یوں لبوں پہ ہم رکھ کر، بے زبانی لائے ہیں

وقت نے بدل کر بھی، تہمتیں نہیں بدلیں
مینا ہے نئی لیکن، مے پرانی لائے ہیں

• • •

انتساب

ان ریت لمحوں کے نام
جو زندگی کی بنیاد بن گئے۔

ڈاکٹر مینا نقوی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

کبھی میں ضد نہ کروں غم سے چھوٹ جانے کی
یہ شرط اس نے رکھی مجھ سے دل لگانے کی

مہارتیں تھیں جنھیں بستیاں جلانے کی
انھیں ہے فکر بہت اپنا گھر بچانے کی

مِری حیات بھی اک امتحان بنتی رہی
اِسے بھی ضد رہی ہر لمحہ آزمانے کی

اجاڑ کر وہ گیا آشیاں، تبھی سے ہم
جگہ تلاشتے پھرتے ہیں سر چھپانے کی

خزاں سے آندھیاں ہم ساز ہوگئیں مینا
''نہ ٹوٹ جائے کہیں شاخ آشیانے کی''

• • •

✠

وہ محبت میں محبت کا چلن بھول گئے
باغباں ہو کے بھی پھولوں کی پھبن بھول گئے

جن کے سینے میں دھڑکتا تھا کبھی دل میرا
اپنے دل میں وہ مرے غم کی چبھن بھول گئے

دوش پر جیسے ہواؤں کے چلی ہو خوشبو
اس کی یاد آئی تو سانسوں کی گھٹن بھول گے

ہم ستم ان کے محبت کی روایت سمجھے
ان کو خوش دیکھ کے زخموں کی دُکھن بھول گئے

غمِ ہجراں کی کریں بات ہی کیا اے میناؔ
غمِ دوراں میں سبھی رنج و محن بھول گئے

• • •

درد اور رنج کے احساس سے عاری دنیا
بس ہے پتھر کے اصولوں کی پجاری دنیا

عمر بھر ساتھ رہے، پیار کیا درد سہا
بن نہیں پائی مگر پھر بھی ہماری دنیا

بوجھ ہے پھر بھی اٹھاتے ہیں اسے ہنس ہنس کر
ہے تصور پہ خیالات پہ بھاری دنیا

کبھی اُس کی کبھی اِس کی ہے کبھی سب کی ہے
ہے کسی کی نہیں یہ تیغ دو دھاری دنیا

علم تھا مینا کہ تنہائی ہے اپنی قسمت
پھر بھی اک دوست کی یادوں سے سنواری دنیا

• • •

✠

نسبت ہے جسے وہ ہی محبت نہیں کرتا
دل اپنا بھی خود اپنی ہی وقعت نہیں کرتا

جب حادثہ بن جاتی ہے الفت کی کہانی
احساس کا مجمع بھی رعایت نہیں کرتا

احباب کی مانند مِرا دِل بھی ہوا ہے
اپنا ہے مگر اس کی بغاوت نہیں کرتا

آنکھوں میں بھرا پانی کبھی خشک نہ ہوگا
دریا بھی کبھی اتنی سخاوت نہیں کرتا

جابر کا طرف دار زمانہ رہا مینا
مجبور کی کوئی بھی وکالت نہیں کرتا

• • •

تری خوشی کے لیے غم کا جام لیتی ہوں
میں اپنی صبح تجھے دے کے شام لیتی ہوں

میں آسمان سے ٹوٹا ستارہ ہوں یوں تو
ترے غرور کا لیکن سلام لیتی ہوں

میں جان بوجھ کے ٹھوکر پہ کھاتی ہوں ٹھوکر
یوں تیری ذات سے میں انتقام لیتی ہوں

مری فنا بھی وفا کے بھرم کو چاہتی ہے
یہ قرض تجھ سے پئے انتظام لیتی ہوں

یہیں کہیں وہ مِرا منتظر نہ ہو مینا
میں اپنے اٹھتے ہوئے پاؤں تھام لیتی ہوں

• • •

بے خبر ذہن میں اتنی سی خبر رکھ دینا
بے قراری پہ محبت کی نظر رکھ دینا

مجرمِ وقت ہے گر اس کی شکستہ پائی
میرے قدموں تلے اس کا بھی سفر رکھ دینا

خود ہی بے چین ہے وہ میری سُنے گا کیسے
جب سمندر کبھی ساکت ہو گہر رکھ دینا

سائباں کالی گھٹاؤں کا بھی مل جائے گا
تپتی راہوں میں امیدوں کا شجر رکھ دینا

• • •

✠

گہنا رہا ہے نظروں میں سورج یقین کا
ہے زلزلوں کی زد میں مقدر زمین کا

ٹوٹے ہوئے مکان سے نکلی ہے ایک لاش
ملتا ہے اس کے چہرے سے چہرا مکین کا

دنیا کے کارخانے میں احساس مرگیا
انسان جیسے ہوگیا پرزہ مشین کا

میرے لہو کو دیکھ کے ہر سمت شور ہے
بس دم بخود ہے سانپ مِری آستین کا

یادوں کی رہگزر پہ ہمیشہ ملوں گا میں
مینا یہ وعدہ سچ تھا مِرے ہم نشین کا

• • •

اشکوں کے سیلاب ہم آنکھوں کے اندر پی گئے
تشنگی قائم رہی سارے سمندر پی گئے

اس لیے بے چینیاں گھر کر گئیں ہیں رُوح میں
بادشاہت چین کی یادوں کے لشکر پی گئے

چہروں کا جنگل مجھے تاعمر بھٹکاتا رہا
اور سچائی کی مے خوابوں کے پیکر پی گئے

آنے والے تشنہ کاموں سے رہے لاعلم وہ
کیسے ساقی تھے کہ خود ہی سارے ساغر پی گئے

خشک کردی ہے تمازت نے مزاجوں کی ندی
پیار کی ساری نمی باتوں کے نشتر پی گئے

مینا اس نے دل کے جذبے اس طرح زخمی کیے
جیسے شیشے کی نزاکت سخت پتھر پی گئے

• • •

یوں بدلتے ہم زمین و آسماں دیکھا کیے
نفرتیں احباب کے رخ سے عیاں دیکھا کیے

حوصلے کہتے تھے ہم جن کو وہ تھیں مجبوریاں
بجلیوں کی زد میں اپنا آشیاں دیکھا کیے

ڈھونڈتا پھرتا تھا جو سارے زمانے میں کمی
بند اپنی بات پہ اس کی زباں دیکھا کیے

ہوگئی جذبات کی برباد کھیتی اس لیے
اشکوں کا سیلاب آنکھوں سے رواں دیکھا کیے

ہو نہ پائیں قتل جب خودداریاں تو یہ ہوا
فاصلوں کو قربتوں کے درمیاں دیکھا کیے

بستیوں کو پھونکنے والے بھی تھے حیرت زدہ
جو گھروں سے اپنے بھی اٹھتا دھواں دیکھا کیے

اپنے ہونے کا گماں میناؔ ہمیں اکثر ہوا
دھوپ میں جلتا ہوا جب سائباں دیکھا کیے

• • •

ترتیب

دراصل	ہوش نعمانی	۹
مینا نقوی کی شاعری ایک تاثر	منصور عثمانی	۱۱
حرفِ چند	ڈاکٹر لطیف سبحانی	۱۴
اظہار	یوسف قریشی	۱۷
مینا نقوی: اک احساس	قمر قدیر ارم	۱۹
جب سویرا ہوا	ڈاکٹر مینا نقوی	۲۲
حمد: تیری محتاج ہوں بس تیری ہی محتاج رہوں		۲۴
نعت: آپؐ ہی باعثِ تخلیقِ جہاں ہیں آقاؐ		۲۵
منقبت: اے شہنشاہِ شہیداں ترا پیغامِ وفا		۲۶
ترانہ: مرے وطن کا ہر اک ذرّہ ہے مرا محبوب		۲۶

غزلیں :

قرض لے کے کچھ سانسیں، زندگانی لائے ہیں	۲۹
کبھی میں ضد نہ کروں غم سے چھوٹ جانے کی	۳۰
وہ محبت میں محبت کا چلن بھول گئے	۳۱
درد اور رنج کے احساس سے عاری دنیا	۳۲
نسبت ہے جسے وہ ہی محبت نہیں کرتا	۳۳
تری خوشی کے لیے غم کا جام لیتی ہوں	۳۴
بے خبر ذہن میں اتنی سی خبر رکھ دینا	۳۵
گہنا رہا ہے نظروں میں سورج یقین کا	۳۶

اس طرح سے بدلیں گے، درد کو وہ درماں میں
ساحلوں سے دیکھیں گے، کشتیوں کو طوفاں میں

قسمیں توڑ دیتے ہیں، وعدے بھول جاتے ہیں
اتنی پختگی دیکھی، ان کے عہدوپیماں میں

رہگذر کے پتھر سی، اپنی زندگی گذری
منزلیں تھی چاہت میں، ہمسفر تھے ارماں میں

جب کوئی لگاتا ہے، دل کسی سے دنیا میں
موت ساتھ آتی ہے، زندگی کے ساماں میں

دل میں ان کی یادوں کی، برق جب چمکتی ہے
آگ لگتی ہے مینا، غم کے ابر باراں میں

• • •

✠

دِلوں میں اپنوں کے اس درجہ نفرتیں کیوں ہیں
چراغ جلتے ہیں پھر گھر میں ظلمتیں کیوں ہیں

سوال کرتے ہیں یہ انتظار کے لمحے
صدی پہ بھاری کبھی چند ساعتیں کیوں ہیں

جو مل رہے ہو تو بے لوث کیوں نہیں ملتے
نظر میں فاصلے دل میں کدورتیں کیوں ہیں

کہیں تو ملتے ہیں کچھ لوگ فکر سے آزاد
کسی کے حصے میں سب کی ضرورتیں کیوں ہیں

جو میری روح میں پیوست ہوگیا مینؔا
اسی کے قرب سے محروم چاہتیں کیوں ہیں

• • •

اپنے رتبے پہ جو مغرور رہا کرتے ہیں
دل سے اپنوں کے بہت دور رہا کرتے ہیں

کچھ مزاج ایسا ہمیں بخش دیا فطرت نے
رنج و آلام میں مسرور رہا کرتے ہیں

چاند جب چھپتا ہے راتوں کو اندھیرا دے کر
رخ ستاروں کے بھی بے نور رہا کرتے ہیں

خود فریبی کی تمازت میں جو جینا سیکھیں
غم کی چھاؤں سے وہ مفرور رہا کرتے ہیں

جب سے دل ہم نے لگایا ہے کسی پتھر سے
آنکھ نم رکھتے ہیں رنجور رہا کرتے ہیں

بات کرتے نہیں محفل میں بلاتے ہیں ہمیں
کیا یہ ہر بزم کے دستور رہا کرتے ہیں

حال ہم ان کو سنادیتے مگر اے مینا
اپنے حالات سے مجبور رہا کرتے ہیں

• • •

✠

چھوڑ کر مجھ کو ہر اک شام و سحر ڈھونڈتا ہے
اپنی منزل وہ سرِ راہ گزر ڈھونڈتا ہے

جانے وہ کیسے سمجھتا ہے مکمل خود کو
مرنا آتا نہیں جینے کے ہنر ڈھونڈتا ہے

بے نیاز اپنے ہر اک عیب سے ہوکر شاید
ذات سے اپنی ہر اک شخص مفر ڈھونڈتا ہے

اس کو چھولینے کی پھر دل نے تمنا کی ہے
شاخ سے ٹوٹ کے پھر پتہ شجر ڈھونڈتا ہے

درد کے کتنے مراحل سے وہ گزرا میناؔ
حال میں اپنے جو ماضی کے کھنڈر ڈھونڈتا ہے

• • •

احساس کی آنکھوں میں تصویر نہیں ملتی
چہروں پہ محبت کی تحریر نہیں ملتی

مل جائیں یہ ممکن ہے خیرات میں کچھ سکّے
مانگے سے مگر ساری جاگیر نہیں ملتی

یہ سوچ کے آنکھوں کو بے خواب رکھا میں نے
اس دور میں خوابوں کو تعبیر نہیں ملتی

جاؤں تو کہاں جاؤں ٹھہروں تو کہاں ٹھہروں
پیروں کو محبت کی زنجیر نہیں ملتی

بے زاریاں جب دل میں در آتی ہیں اے مینا
اظہارِ محبت میں تاثیر نہیں ملتی

• • •

✠

آہوں میں وہ اثر مِری ربِّ کمال دے
آنکھوں سے پتھروں کی جو آنسو نکال دے

اُس خود پرست سے مرے دل کا سوال ہے
وہ اپنی بے حسی کو بھی تھوڑا زوال دے

ہے تیرا فرض اور مِرا حق بھی ساقیا!
تھوڑی حیات میرے بھی ساغر میں ڈال دے

اس آخری مکاں کو گرادے نہ زلزلہ
آجا ستون بن کے مرا گھر سنبھال دے

میں بھی تو دیکھوں مینؔا کبھی جیت کا مزا
تقدیر کا مِری کوئی سکّہ اُچھال دے

• • •

اجڑے گلشن میں گلوں کا مسکرانا ڈھونڈنا
حال کے لمحات میں گزرا زمانہ ڈھونڈنا

مجھ کو بس اک جستجو نبھنے کی صورت ہو کوئی
اس کو بس ترکِ تعلق کا بہانا ڈھونڈنا

ہوگئی ہے شاطرانہ چال بھی اب پیار کی
خواب کی باتیں ہیں رنگِ مخلصانہ ڈھونڈنا

دھوپ سے غم کی بچا رکھے جو اپنی چھاؤں میں
عمر بھر مجھ کو پڑا وہ شامیانہ ڈھونڈنا

بھول جاتا ہے ہمیشہ راستے کے وہ پڑاؤ
اس کی عادت ہے نیا ہردم ٹھکانہ ڈھونڈنا

یاد آجاتا ہے اکثر میناؔ مجھ کو پیار میں
گفتگو میں اس کا لہجہ حاکمانہ ڈھونڈنا

• • •

یہ کیسے کہیں تیرے طلب گار نہیں ہیں
بس بھیک میں پانے کے روادار نہیں ہیں

ناراض ابھی چاند ہے پھیلا ہے اندھیرا
کہرے کے ابھی کھلنے کے آثار نہیں ہیں

ملاحوں کو ضد ہے کہ وہ طوفاں سے لڑیں گے
کشتی کو ڈبونے کو وہ تیار نہیں ہیں

سننا بھی گوارا نہیں ہے میری زباں سے
چہرہ وہ مِرا پڑھنے کو تیار نہیں ہیں

مینا یہ خبر پہنچے ہر اک ظلم کدے میں
مظلوم ستم سہنے کو تیار نہیں ہیں

• • •

✠

جو ذرے ریت کے خود کو گہر نہیں کرتے
تو ان کی سمت سمندر سفر نہیں کرتے

سیاسی لوگوں نے کرتب دکھائے ہیں اتنے
تماشا گاؤں میں اب بازی گر نہیں کرتے

جو حق کو جان کے ناحق کو مان لیتے ہیں
یہ کام ان کو کبھی معتبر نہیں کرتے

اٹھائے پھرتیں یہ صدیاں سزائیں کاندھوں پر
خطائیں لمحے اگر درگزر نہیں کرتے

جو راہزن ہیں وہی رہنما ہیں اے میناؔ
یہ کارِ خیر بس اب راہبر نہیں کرتے

• • •

✠

میں نے جس کو بھی قریب اپنے اگر پایا ہے
دل میں ہر لمحہ بچھڑ جانے کا ڈر پایا ہے

۴

واہ کیا خوب دعاؤں نے اثر پایا ہے
میں نے پھر اس کو سرِ راہ گذر پایا ہے

خود کو میں دھوپ کی شدت سے بچاؤں کیسے
چھاؤں کی چاہ میں بے سایہ شجر پایا ہے

ہے عجب بات ہوئی بانجھ وفائیں ساری
بے وفائی میں نیا روز ثمر پایا ہے

نہ محبت کی زمیں اور نہ تحفظ کی ہے چھت
پیار کے نام سے نا آشنا گھر پایا ہے

میری نظروں نے بلندی پہ بٹھایا اُس کو
اُس کی دستار نے اب تک مِرا سر پایا ہے

ہو کسی راہ سے آغاز سفر مینؔا کا
جب رکے پاؤں تو اس نے ترا گھر پایا ہے

• • •

اشکوں کے سیلاب ہم آنکھوں کے اندر پی گئے	۳۷
یوں بدلتے ہم زمین و آسماں دیکھا کیے	۳۸
اس طرح سے بدلیں گے، درد کو وہ درماں میں	۳۹
دِلوں میں اپنوں کے اس درجہ نفرتیں کیوں ہیں	۴۰
اپنے رتبے پہ جو مغرور رہا کرتے ہیں	۴۱
چھوڑ کر مجھ کو ہرا اک شام وسحر ڈھونڈتا ہے	۴۲
احساس کی آنکھوں میں تصویر نہیں ملتی	۴۳
آہوں میں وہ اثر مری ربِّ کمال دے	۴۴
اجڑے گلشن میں گلوں کا مسکرانا ڈھونڈنا	۴۵
یہ کیسے کہیں تیرے طلب گار نہیں ہیں	۴۶
جو ذرے ریت کے خود کو گہر نہیں کرتے	۴۷
میں نے جس کو بھی قریب اپنے اگر پایا ہے	۴۸
تمنا سائے کی جب کی ہے اپنے سر کے لیے	۴۹
سارے طوفان اسی راہ گزر سے گزرے	۵۰
مٹا سا دل پہ ترے میرا نام کیسا ہے	۵۱
جسے گلوں کو محبت کے خار کرنا ہے	۵۲
تمام تہمتیں جب خود پہ دھر چکا ہے وہ	۵۳
مجھے وہ اس طرح غم کے مقابل چھوڑ دیتے ہیں	۵۴
جو خود میں اپنی نظر سے اتر گئی ہوتی	۵۵
اک ایسا رشتہ نبھانا بہت ہی بھاری ہے	۵۶
اس کے چہرے پہ کوئی چہرہ جو ڈھک جاتا ہے	۵۷
سامنا طوفان کا پروائیاں کرتی رہیں	۵۸
اس طرح سے ملنے کا، سلسلہ نہ رکھے گا	۵۹
میں نے اس کے لیے ہر خوشی چھوڑ دی	۶۰
اس روز سے سفر کا سلیقہ نہیں رہا	۶۲

تمنا سائے کی جب کی ہے اپنے سر کے لیے
ترس گئی ہیں دعائیں مِری اثر کے لیے

تمام راستے کانٹوں سے سج گئے کیسے
ابھی تو میں نے فقط سوچا ہے سفر کے لیے

انا کی دھوپ نہ جھلسا دے چھت کی ٹھنڈک کو
یہ ذمّہ داری بھی میں نے اٹھائی گھر کے لیے

میں جس کے جلووں کو سمجھی تھی صرف میرے ہیں
وہ شخص عام تھا دنیا میں ہر بشر کے لیے

غرور دیکھا خزاں نے جو سبز پتّوں کا
برہنہ شاخوں کا تحفہ دیا شجر کے لیے

جو چاہتی ہو سفر میں سلامتی مینؔا
تو راہزن سے کرو بات راہبر کے لیے

• • •

سارے طوفان اسی راہ گزر سے گزرے
ہم محبت کی تمنا میں جدھر سے گزرے

شب کی تاریکی میں یادوں کے ہیں سائے ایسے
جس طرح نور دبے پاؤں سحر سے گزرے

کترنیں دھوپ کی قدموں پہ زمیں کے کیوں ہیں
یہ وہ سمجھے گا جو احساسِ شجر سے گزرے

سمجھا جب پیار کی بنیاد کو پختہ میں نے
زلزلے جتنے بھی آئے مرے گھر سے گزرے

یہ بھی ممکن ہے ملاقات ہو خود سے میری
میرا بھی ذکر اگر شہرِ جگر سے گزرے

رک کے پوچھا ہی نہیں حال کسی نے میرا
قافلے یوں تو کئی دل کے نگر سے گزرے

جب غزل کہتی ہوں مینا تو دعا کرتی ہوں
میری کاوش بھی کبھی اہلِ نظر سے گزرے

• • •

مٹا سا دل پہ ترے میرا نام کیسا ہے
تری نظر کا بتا یہ قیام کیسا ہے

ہمیں کو وقت نے سولی پہ کیوں چڑھایا ہے
امیرِ وقت یہ تیرا نظام کیسا ہے

تمھارا وعدہ تھا تشنہ لبی مٹانے کا
تمھارے ہاتھوں میں یہ خالی جام کیسا ہے

کبھی دکھاتا ہے فرعونیت مجھے مینؔا
کبھی خلوص بھرا یہ سلام کیسا ہے

• • •

جسے گلوں کو محبت کے خار کرنا ہے
ہمیں یہ دل تو اسی پہ نثار کرنا ہے

ہزار آئے خزاں زندگی کے گلشن میں
ہمیں تو دوستو جشنِ بہار کرنا ہے

ستانا اور رُلانا تو اس کی فطرت ہے
یہ کارِ خیر اسے بار بار کرنا ہے

میں اس کے ساتھ چلوں تو مجھے یہ لگتا ہے
کسی چڑھے ہوئے دریا کو پار کرنا ہے

فریب دینے کی کچھ اس کی بھی ہے مجبوری
ادھر یہ بے بسی پھر اعتبار کرنا ہے

نہ گزرے کل کا نہ ہے آنے والے کل کا غم
کہ اپنا آج ہمیں سازگار کرنا ہے

پتا لگے گی تبھی مینا وجہ ناکامی
کہ پہلے خامیاں اپنی شمار کرنا ہے

• • •

✠

تمام تہمتیں جب خود پہ دھر چکا ہے وہ
زمانہ سوچ رہا ہے سدھر چکا ہے وہ

لگا کے دل کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا
یہ تجربہ تو کئی بار کرچکا ہے وہ

نہ آئے گی کوئی تصویر اس کی آنکھوں میں
کسی کے عکس میں ایسا سنور چکا ہے وہ

وہ ہار جاتا ہے جب خود سے جنگ کرتا ہے
کہ اپنے آپ سے بھی اب تو ڈر چکا ہے وہ

سجا کے رکھنا ہے سونی سی اک ڈگر میناؔ
کہ شاہراہوں سے اکثر گزر چکا ہے وہ

• • •

✠

مجھے وہ اس طرح غم کے مقابل چھوڑ دیتے ہیں
بھنور میں جس طرح کشتی کو ساحل چھوڑ دیتے ہیں

سفر میں گمرہی، بے رہروی، اچھی نہیں ہوتی
بھٹک جاتے ہیں راہوں میں جو منزل چھوڑ دیتے ہیں

کیا جب اپنی ناکامی پہ ہم نے غور تو پایا
انا کی بات پہ ہم سارے حاصل چھوڑ دیتے ہیں

فلک زادے بھی ڈرتے دیکھے ہیں حالات سے اکثر
گھٹاؤں میں ستارے اپنی جھلمل چھوڑ دیتے ہیں

ہمیشہ بھیڑ میں تنہا نظر آتے ہیں ہم مینؔا
اکیلا پن ستاتا ہے تو محفل چھوڑ دیتے ہیں

• • •

✠

جو خود میں اپنی نظر سے اتر گئی ہوتی
تو خشک پتوں کے جیسی بکھر گئی ہوتی

مجھے ستاتا نہیں کوئی غم زمانے کا
ملال تُو مجھے دیتا تو مرگئی ہوتی

میں نامرادیوں سے ہار مان لیتی اگر
شکستِ زیست بھی میرے ہی سرگئی ہوتی

شب فراق کو یوں بھی پناہ دی میں نے
یہ چل کے گھر سے مرے تیرے گھر گئی ہوتی

ہزار جھوٹ کے بعد اب بھی سوچتی ہوں یہی
یقین اس پہ پھر اک بار کرگئی ہوتی

جو ایک در کی نہ ہوتی تو عمر بھر میناؔ
سکون ڈھونڈنے میں دربدر گئی ہوتی

• • •

اک ایسا رشتہ نبھانا بہت ہی بھاری ہے
کہ جس میں فرض، ضرورت نہ ذمہ داری ہے

سفر میں ہم سفری جب سفر سے عاری ہے
چلو اکیلے چلیں ہم سفر تو جاری ہے

ترے فراق میں کٹتا نہیں ہے دن میرا
تری جدائی میں ہر رات مجھ پہ بھاری ہے

بجھا سکے گا ترا قرب اور ترا دیدار
یہ پیاس لب پہ نہیں روح و دل پہ طاری ہے

ادب ہو یا ہو وہ تہذیب یا سیاست ہو
ہر ایک شعبے میں ہر شخص کاروباری ہے

ہمیں بھی اپنی حفاظت ہے لازمی مینا
یہ کیسے کہہ دیں حکومت کی ذمہ داری ہے

• • •

اس کے چہرے پہ کوئی چہرہ جو ڈھک جاتا ہے
ایک شعلہ سا مرے دل میں لپک جاتا ہے

پوچھتی ہوں کبھی جب اس سے وفا کا مطلب
لب پہ خاموشی کا اک قفل لٹک جاتا ہے

صبح کے نور نے سمجھا ہی نہیں جس کا وجود
شب میں وہ ننھا سا تارا بھی چمک جاتا ہے

دیکھنے میں تو ہے مضبوط وفا کا رشتہ
اتنا نازک بھی ہے باتوں سے چٹک جاتا ہے

منزلیں جن کے مقدر میں نہیں ہوتیں ہیں
وہ مسافر تو سرِ راہ بھٹک جاتا ہے

کیسے طوفاں کے مقابل وہ شجر ٹھہرے گا
مینا جو ہلکی ہواؤں سے لچک جاتا ہے

• • •

✠

سامنا طوفان کا پروائیاں کرتی رہیں
ہر قدم پیچھا مِرا رسوائیاں کرتی رہیں

پیار پر ہم نے یقیں جب کرلیا تو یہ ہوا
سطح سے وابستگی گہرائیاں کرتی رہیں

ساتھ رہ کر بھی رہے وہ دسترس سے دور دور
رقص دھوپ اور چھاؤں کا پرچھائیاں کرتی رہیں

سائے کی چاہت میں مینؔا کٹ گئی ساری حیات
آرزو دیوار کی انگنائیاں کرتی رہیں

• • •

مقابل یوں مرے وہ بے حس و بے جان آتا ہے	۶۳
وہ شخص جس سے میں نے کیا پیار ہے بہت	۶۴
سر پہ میرے جو سائبان نہ تھا	۶۵
سوچنا یہ غلط ہے کہ ہم تھک گئے	۶۶
دل قیدِ رسومات سے اکتا گیا شاید	۶۷
جذبات میں جب اس کے صداقت نہیں رہی	۶۸
نظم میخانہ کے انداز نرالے نکلے	۶۹
کبھی قریب کبھی دور جا کے دیکھو تو	۷۰
جو عشق، پیار، محبت نہیں سمجھتے ہیں	۷۱
وہ فقط دل کی کتابوں میں رقم ہوتے ہیں	۷۲
نسبت رہی ہے جس کو سمندر کے نام سے	۷۳
وفائیں کیا ہیں، امیدیں کیا ہیں، یقین کیا، اعتبار کیا ہے	۷۴
جو گل کی چاہت رکھی چمن سے تو اپنے حصے میں خار پایا	۷۶
یہ دھیان مجھ سے کہیں پر بھی کھو نہیں پایا	۷۷
قرار اس نے مجھے ایسا بے قرار دیا	۷۸
موڑ پہ رہ گئے راستوں کی طرح	۷۹
یوں میری وفاؤں کو ملامات کا پانی	۸۱
ساقی نے واعظوں کو بھی پینا بتا دیا	۸۲
نرم لہجے میں گفتگو بھی نہیں	۸۳
ساتھ اس کو نہ کسی طور بھی چلنا آیا	۸۵
کسی نے میرے یقیں پر پھر اک شگاف کیا	۸۶
آہ کیوں بااثر نہیں ہوتی	۸۷
منزل سے فاصلوں کا نہیں کوئی غم مجھے	۸۸
کل تک جو ہم سے ملتے تھے احباب کی طرح	۸۹
وقت بدلا تو وہ بھی بدلنے لگے	۹۰

اس طرح سے ملنے کا، سلسلہ نہ رکھیے گا
باہمی تعلق میں، فاصلہ نہ رکھیے گا

جب کریں محبت تو، دل کا قتل کر دیجیے
آپ اس تجارت میں، فائدہ نہ رکھیے گا

ہو سکے تو کر دیجیے، دور گھر کا سنّاٹا
خاموشی کے سینے میں، زلزلہ نہ رکھیے گا

تہمتیں حقیقت سے، دور دور رہتی ہیں
منزلوں کے دھوکے میں، راستہ نہ رکھیے گا

ہم سفر کو رستے میں، چھوڑ کر نہیں جاتے
بھول کر بھی دل میں، یہ فیصلہ نہ رکھیئے گا

نام اس کا آیا تو، دل نے یہ کہا مینؔا
ظرف آزمانے کا، حوصلہ نہ رکھیئے گا

• • •

میں نے اس کے لیے ہر خوشی چھوڑ دی
زندگی کے لیے زندگی چھوڑ دی

کچھ چمن بھی تھا مائل خزاں کی طرف
کچھ ہواؤں نے بھی تازگی چھوڑ دی

کانٹے نفرت کے اگنے لگے ہر طرف
غنچہ و گل نے بھی تازگی چھوڑ دی

بے وفائی نے اس کی جو بے بس کیا
میرے ہونٹوں نے اپنی ہنسی چھوڑ دی

وقت بدلا تو احباب نے یہ کیا
دشمنی کے لیے دوستی چھوڑ دی

ان کے چہروں کی پہچان کھوجائے گی
پتھروں نے اگر بے حسی چھوڑ دی

دن سے سورج نے وعدہ وفا یوں کیا
جب وہ چھپنے لگا روشنی چھوڑ دی

لے گیا سب وہ مینا خوشی کے دیے
میرے حق میں فقط تیرگی چھوڑ دی

• • •

✠

اس روز سے سفر کا سلیقہ نہیں رہا
جس دن سے کوئی پاؤں میں چھالا نہیں رہا

حالات بدلے ملنے کا رستہ نہیں رہا
اب ان سے جیسے کوئی بھی رشتہ نہیں رہا

جیتے ہیں والدین بناوٹ کی زندگی
گھر میں جب ان کے چھوٹا سا بچہ نہیں رہا

راتوں میں تیری یاد کے جگنو جو مل گئے
آنکھوں میں نیند نیندوں میں سپنا نہیں رہا

کمروں میں قید ہوگئیں گھر کی مسرتیں
انگنائیوں کا درد بھی ساجھا نہیں رہا

کی میں نے اس کے قرب کی مینا جو آرزو
ارمان کوئی بھی مرا اپنا نہیں رہا

• • •

✠

مقابل یوں مرے وہ بے حس و بے جان آتا ہے
کہ جیسے ہار کے رن سے کوئی سلطان آتا ہے

وہ میرے سمت رخ کرتا نہیں یہ سوچ کر شاید
کسی ویراں مکاں میں کب کوئی مہمان آتا ہے

مجھے گہرائیاں یادوں کی خود میں جذب کرتی ہیں
سمندر میں تمناؤں کے جب طوفان آتا ہے

ہمیں تیار رکھنا ہوگا جینے کے لیے خود کو
کہ پھر اس کی طرف سے موت کا فرمان آتا ہے

میں اس کی سمت جاتی ہوں تو سپنے ٹوٹ جاتے ہیں
وہاں سے دل ہمیشہ بے سرو سامان آتا ہے

ہمارے حق میں تو یہ بات بھی نکلی غلط مینا
کہ اک دن زندگی میں راستہ آسان آتا ہے

• • •

✠

وہ شخص جس سے میں نے کیا پیار ہے بہت
میرے لیے وہ درپۂ آزار ہے بہت

شاید وہ میرے پاس چلا آئے ایک روز
دل اس خیالِ خام سے سرشار ہے بہت

اب میرے سامنے ہے نہ منزل نہ راستا
ہمراہی میرا مجھ سے ہی بیزار ہے بہت

وہ دو قدم بھی ساتھ نہیں میرے چل سکا
جو مجھ سے کہہ رہا تھا وفادار ہے بہت

جس پر یقین کرکے ہو خوش آج کل بہت
وہ مینا اپنے دور کا عیّار ہے بہت

• • •

✠

سر پہ میرے جو سائبان نہ تھا
کیا کوئی میرا قدر دان نہ تھا

گھر کی زینت تو سب سمجھتے تھے
میرے حق میں مرا مکان نہ تھا

وہ چراغاں وہاں پہ کرتا تھا
تیرگی کا جہاں نشان نہ تھا

اس کو بہنا پڑا بہاؤ میں
جس کی کشتی پہ بادبان نہ تھا

جس کو خاموش طبع سمجھا تھا
جان کر چپ تھا بے زبان نہ تھا

جس کو نسبت نہ تھی زمینوں سے
مینؔا وہ میرا آسمان نہ تھا

• • •

سوچنا یہ غلط ہے کہ ہم تھک گئے
سچ تو یہ ہے تمھارے ستم تھک گئے

کوئی چھولے تو گویائی مل جائے گی
یہ یقیں کرکے سارے صنم تھک گئے

بھیک میں بھی کسی کی نہ چاہت ملی
ہاں عقیدت کے سرِخم بہ خم تھک گئے

دل بھی ٹھہرا سا ہے آنکھ بھی تر نہیں
آتے آتے سبھی اشکِ غم تھک گئے

اے سکونِ دل وجاں بس اب آ بھی جا
ہم اٹھاتے اٹھاتے الم تھک گئے

میناؔ راہِ غمِ زیست میں ہم ہی کیا
اہلِ زر اہلِ جاہ و حشم تھک گئے

• • •

✠

دل قیدِ رسومات سے اکتا گیا شاید
بے رشتوں کے جینا مجھے یوں آ گیا شاید

لوٹ آیا ہے پھر تو مری تنہائی میں کیسے
ٹھوکر سے تجھے پھر کوئی ٹھکرا گیا شاید

اک ٹیس سی احساس کے زخموں میں اٹھی ہے
سایہ سا کسی درد کا لہرا گیا شاید

ہے جن کا جواب آج نہ کل تھا نہ کبھی ہو
وہ ایسے سوالات میں الجھا گیا شاید

یہ باغ ترستا ہے جو شادابی کو میناؔ
اس عہد کا سورج اسے جھلسا گیا شاید

◆ ◆ ◆

جذبات میں جب اس کے صداقت نہیں رہی
مجھ کو بھی زندگی سے محبت نہیں رہی

ایسا نہیں کہ پیار کا احساس مرگیا
ہاں اس میں پہلی جیسی حرارت نہیں رہی

راہِ وفا کے پتھروں سے بھی ہے اک لگاؤ
ٹھوکر سے بچ کے نکلوں یہ عادت نہیں رہی

سورج مِرا تھا دھوپ بھی مجھ کو قبول تھی
کیوں مجھ پہ وقف اس کی تمازت نہیں رہی

خوشیوں کے خواب ان میں جگہ پاتے کس طرح
اشکوں ہی سے جن آنکھوں کو فرصت نہیں رہی

اب زندگی پہ راج بھی جینا فضول ہے
جب اس کے دل پہ اپنی حکومت نہیں رہی

• • •

جس کو دعا میں مانگا تھا تاثیر کی طرح	۹۱
ادب میں بے حسی سی لگ رہی ہے	۹۲
ڈر جس کا صبح سے تھا وہی بات ہوگئی	۹۳
چاہتوں کی سرد مہری سے پگھلتی دوپہر	۹۴
اشکوں سے اپنی آنکھوں کو تر کر کے دیکھنا	۹۵
آنکھوں میں میری اشکوں کے دریا ابال کے	۹۶
یہ بات جدا ہے جینے کو، سکھ چین کا اک پل کافی ہے	۹۷
نہ آئے گا تھی خبر پھر بھی انتظار کیا	۹۸
یوں تو اک ٹوٹی ہوئی کشتی کی پتوار ہوں میں	۹۹
جلا کر شمع جب وہ غیر کی محفل میں رکھتے ہیں	۱۰۰
بلندی پر نظر کو جب ٹھہر جانا نہیں آتا	۱۰۱
وقت کے گلشن میں یوں خود کو بدلنا آ گیا	۱۰۲
گم گشتہ محبت کے، آداب سے لگتے ہیں	۱۰۳
درد کا سینے میں تم اپنے سمندر دیکھنا	۱۰۴
لگنے لگا جذبوں کے، سورج کو گہن کیسے	۱۰۵
وہ ہر خوشی میں ساتھ تھا جو غم پڑا تو ٹل گیا	۱۰۶
میری تنہائی کا عالم رہ گزر سے پوچھنا	۱۰۷
تو مری طلب کا صحرا، کبھی لالہ زار کرتا	۱۰۸
جانے کیوں چراغوں پر، یہ عذاب نازل ہے	۱۰۹
جب طلب پر آب کو بے آب ہونا آ گیا	۱۱۰
تا عمر پتھروں کے صنم پوجتے رہے	۱۱۱
اک چاند کبھی شب بھر جب تاروں پہ ہنستا ہے	۱۱۲
ذرا سا میں نے جو خوشبو کا کاروبار کیا	۱۱۳
سورج کو بھی مغرب سے نکلتے ہوئے دیکھا	۱۱۴
آئینے سے کوئی جانے کیا کہہ گیا	۱۱۵

نظم میخانہ کے انداز نرالے نکلے
میرے حصے میں فقط ٹوٹے پیالے نکلے

دو قدم کوئی مِرے ساتھ نہیں چل پایا
ہم سفر میرے فقط پاؤں کے چھالے نکلے

اس کی یاد آئی تو راتیں ہوئیں روشن ایسے
جس طرح گہرے اندھیروں سے اجالے نکلے

لشکرِ غم سے مجھے مات نہ ہوتی کیسے
میرے احباب کماں اس کی سنبھالے نکلے

دے کے وہ درسِ وفا مجھ سے وفا کر نہ سکا
اس کے پھولوں میں بھی میرے لیے بھالے نکلے

بارہا اس نے مجھے دل سے بھلایا مینؔا
روح سے اُس کی مگر ہم نہ نکالے نکلے

♦ ♦ ♦

✠

کبھی قریب کبھی دور جا کے دیکھو تو
ستم جو اور ہوں وہ ہم پہ ڈھا کے دیکھو تو

نہ دل لگی کو کبھی نام دو محبت کا
کبھی وفا بھی کسی سے نبھا کے دیکھو تو

وہ شام ہوتے ہی لوٹ آئیں گے نشیمن میں
پرندے روز شجر سے اڑا کے دیکھو تو

تمھارے ساتھ یہ پرچھائیاں سی کیسی ہیں
کسی کو تم کبھی اپنا بنا کے دیکھو تو

زباں پہ آنے سے پہلے جو لوٹ جاتا ہے
وہ لفظ مینا غزل میں سجا کے دیکھو تو

• • •

✠

جو عشق، پیار، محبت نہیں سمجھتے ہیں
وہ آسمان کو گویا زمیں سمجھتے ہیں

ہمیشہ کرتے ہیں یوں بندگیٔ عشق ادا
کہ ان کے قدموں کو اپنی جبیں سمجھتے ہیں

محبتوں کا ستوں اعتبار ہوتا ہے
وہ کتنا کرتے ہیں ہم پر یقیں سمجھتے ہیں

ہے کون کس کی نظر میں ہے کس کے دل میں کون
مکاں کی بات تو اس کے مکیں سمجھتے ہیں

کسی کو حق نہیں دیتے کہ وہ ہمیں سمجھے
کہ اپنی ذات کو مینا ہمیں سمجھتے ہیں

• • •

✠

وہ فقط دل کی کتابوں میں رقم ہوتے ہیں
جو تبسّم میں چھپے سینکڑوں غم ہوتے ہیں

اس نے ثابت کیا یہ ترک تعلق کر کے
پھول سے جسموں میں پتھر کے صنم ہوتے ہیں

روشنی سے ہی جنم لیتے ہیں اجیارے بھی
اور اندھیروں سے اندھیروں کے جنم ہوتے ہیں

خشک آنکھوں سے ابل پڑتی ہے اشکوں کی ندی
ہم پہ حالات کے جب لطف وکرم ہوتے ہیں

لکھ نہیں پاتی ہے مینؔا طرب انگیز غزل
غم کے ہاتھوں میں سبھی ٹوٹے قلم ہوتے ہیں

• • •

✠

نسبت رہی ہے جس کو سمندر کے نام سے
بہلا رہا ہے مجھ کو وہ اک خالی جام سے

ڈھلتا ہے دن تو بڑھتی ہے یادوں کی روشنی
جل اٹھتے ہیں چراغ مِرے گھر میں شام سے

تنہائیوں کے درد کو سمجھے گا وہ تبھی
میری طرح سے گزرے گا جب اس مقام سے

وہ میری زندگی کو اندھیروں سے بھر گیا
میں نے اجالے جس کو دیئے اہتمام سے

اے میناؔ سچ تو یہ ہے کہ ناآشنا ہے وہ
چاہت کے راستوں سے وفا کے مقام سے

• • •

✠

وفائیں کیا ہیں، امیدیں کیا ہیں، یقین کیا، اعتبار کیا ہے
جو دل کے ٹکڑے ہوئے تو جانا محبتیں کیا ہیں، پیار کیا ہے

تو اجلی اجلی حقیقتوں کو نہ ڈھک فریبوں کی تیرگی سے
دلوں میں سچائیاں اگر ہوں، تو زندگانی میں بار کیا ہے

بتا تو اے باغباں چمن کی، فضا میں ہے کیسی یہ اُداسی
نہ کلیاں چٹکیں، نہ پھول مہکے، تو پھر یہ فصلِ بہار کیا ہے

ہزار طوفاں ہو مشکلیں ہوں، مصیبتیں ہوں صعوبتیں ہوں
جو ہم قدم ہم سفر ہو ہردم، تو راستہ خارزار کیا ہے

خموشی آنگن سے در تلک کی، سماعتوں سے یہ پوچھتی ہے
وہ جا چکا ہے اب اس کی آہٹ کا تم کو یہ انتظار کیا ہے

کسی کو کلیاں، کسی کو غنچے، کسی کو خوشبو، کسی کو کانٹے
چمن جو ٹکڑوں میں بٹ چکا ہے، تو پھر ہمیں اختیار کیا ہے

خیال میں تیرے کھو کے مینا خود اپنی ہستی بھلا چکی ہے
مجھے مرے ہم نفس بتا دے کہ اب کوئی جیت ہار کیا ہے

• • •

جو گل کی چاہت رکھی چمن سے تو اپنے حصّے میں خار پایا
وصالِ محبوب کی طلب میں فراق کو آشکار پایا

تجھے زمانے کی بھیڑ سے ہم جدا، نہیں کر سکے ابھی تک
یقین تجھ پر کیا جو ہم نے، تو خود کو بے اعتبار پایا

یہ تشنگی تو لبوں تلک ہے سراب تو اس کا ہے مقدر
مگر نگاہوں نے ہر قدم پر خلوص کا آبشار پایا

رفاقتوں کے سفر میں اکثر، یہ تجربہ بھی ہمیں ہوا ہے
سکون کو بے سکون دیکھا، قرار کو بے قرار پایا

بچھڑ کے اس سے تو مجھ کو مینؔا ملا نہ اک لمحہ چین لیکن
بغیر میرے وہ زندگی کو نہ جانے کیسے گزار پایا

• • •

یہ دھیان مجھ سے کہیں پر بھی کھو نہیں پایا
میں جس کی ہوگئی وہ میرا ہو نہیں پایا

حقیر کر گیا وہ گر کے میرے دامن کو
جو اشک آنکھ میں خود کو سمو نہیں پایا

فریب صبح کو ہمراہ لے گیا سورج
وہ اک کرن بھی کسی شب میں بو نہیں پایا

غموں سے ہار کے یوں دل نے خودکشی کر لی
کسی امید کا وہ بوجھ ڈھو نہیں پایا

یہ بے بسی ہے مرے پیار کی کہ مجبوری
کسی کے کاندھے پہ سر رکھ کے رو نہیں پایا

زمین پیار کی میناؔ یونہی ہوئی بنجر
وہ میرے جذبوں کا آنگن بھگو نہیں پایا

• • •

✠

قرار اس نے مجھے ایسا بے قرار دیا
کہ لمحہ لمحہ مِرا درد سے سنوار دیا

محبتوں کے سمندر میں، میں نے یہ بھی کیا
شکستہ کشتی کو منجدھار میں اتار دیا

وہ ایک بار مِرے در پہ پھر پلٹ آئیں
جن آہٹوں نے سماعت کو انتظار دِیا

نہ شکوہ اور نہ شکایت نہ ہے گلہ کوئی
ستم نے اس کے مرے ظرف کو سنوار دیا

وہ لمحہ بھر کی ہنسی اور عمر بھر کا الم
اے زندگی لے ترا قرض بھی اتار دیا

اسے زمانے کی تصویر یوں پسند آئی
کہ مینا چہروں کے جنگل میں مجھ کو مار دیا

◆ ◆ ◆

دے دیا جس نے پتا اپنا کسی انجان کو ۱۱۶
رنج والم کی، درد کی پہچان میں رہی ۱۱۷
بتلا رہے ہیں دل میں چبھے خار آج کل ۱۱۹
موجوں کے دل میں آج یہ احساس ہے بہت ۱۲۰
میں تیری طلب نہیں تھی، تری آرزو نہیں تھی ۱۲۱
سورج ڈھلے تو شام کے منظر کو دیکھنا ۱۲۲
رشتے کو کسی نام پہ کر جائیں تو اچھا ۱۲۳
چرچے کچھ اس طرح سرِ بازار ہو گئے ۱۲۵
جب ستم حد سے سوا تیرے گزر جائیں گے ۱۲۶
وہ میرے ساتھ پھر اسی تیور کے ساتھ ہے ۱۲۷
نظر سے شام کے سورج کا پیکر ٹوٹ جاتا ہے ۱۲۹
بے بس ہیں ہم جو پیار کی ہلچل کے سامنے ۱۳۱
حالات نے جو جھکنے پہ مجبور کر دیا ۱۳۲
سحر سے سر چڑھا ہے دیکھ وقتِ شام کیا ہوگا ۱۳۳
تری قربتوں کے وہ قافلے مجھے چھوڑ کر جو نکل گئے ۱۳۴
جب گماں دل سے محبت کا نکل جاتا ہے ۱۳۵
پاس ہو تم احساس ہو گیا ۱۳۶

✠

موڑ پہ رہ گئے راستوں کی طرح
ہم نے چاہا جنھیں منزلوں کی طرح
دو کنارے ندی کے الگ ہی رہے
مل نہ پائے کبھی دو دلوں کی طرح

ہرقدم پر بچھاتے رہے مشکلیں
زندگی کے کٹھن کر دیئے راستے
میرے احباب حیرت زدہ رہ گئے
میں نے سر سب کیے مرحلوں کی طرح

ایک سائے کی چاہت تھی سر کے لیے
ایک دیوار چاہی تھی گھر کے لیے
عمر بھر کی دعا کا ثمر دیکھیے
سائے چھینے ملے آنچلوں کی طرح

ہم سفر بھی نہیں راہبر بھی نہیں
باخبر مجھ سے وہ بے خبر بھی نہیں
دل کی دھرتی ہوئی خشک سے خشک تر
اڑ گیا وہ کہیں بادلوں کی طرح

غم کا چاروں طرف ایک طوفان ہے
سانس کی کشتی لمحوں کی مہمان ہے
ڈوب جانا مقدر ہے مینا اگر
دل میں اٹھتا ہے کیا ولولوں کی طرح

• • •

✠

یوں میری وفاؤں کو ملامات کا پانی
جیسے کہ ملے نور کو ظلمات کا پانی

وہ مجھ سے بچھڑ کر بھی مرے ساتھ رہا ہے
صدیوں کے سمندر میں ہے لمحات کا پانی

مجروح بدن ہوتا ہے دل ہوتا ہے مردہ
جب سر سے گزر جاتا ہے صدمات کا پانی

اب قتل میں کچھ آپ کو زحمت نہیں ہوتی
چکھ آئے ہیں کیا آپ بھی گجرات کا پانی

ہر چیز ملاوٹ سے ہے لبریز یہاں پر
شہروں کو میسر کہاں دیہات کا پانی

اک ریت کے صحرا کی طرح ہوتا ہے میناؔ
ہو جائے جو بے آب کسی ذات کا پانی

• • •

✠

ساقی نے واعظوں کو بھی پینا بتا دیا
کیوں ڈوبا میکشوں کا سفینہ بتا دیا

کچھ دوست قتل کر گئے کچھ زخم دے گئے
یوں سب نے اپنا اپنا قرینہ بتادیا

ہم دوش ہم بھی ہوگئے سرمایہ دار کے
اشکوں کو ہم نے اپنا خزینہ بتادیا

اس نے ہزارٹھوکریں کھانے کے باوجود
رستوں کے پتھروں کو نگینہ بتادیا

ہم کو نہیں زمانے کی گردش کا کوئی غم
ہرپل کی موت نے ہمیں جینا بتادیا

کیسے عجیب لوگ تھے احساس سے بھرے
تصویرِ غم کی دیکھی تو مینا بتادیا

• • •

نرم لہجے میں گفتگو بھی نہیں
اس میں چاہت کی کوئی خو بھی نہیں

میری آنکھوں کے ڈھلتے اشکوں کو
تیرے دامن کی آرزو بھی نہیں

تیری امید جیسی میں بھی نہیں
میرے خوابوں کے جیسا تو بھی نہیں

چلتے رہنا تو اپنی فطرت ہے
ہم کو منزل کی آرزو بھی نہیں

پیار، چاہت، یقیں، امید وفا
کوئی تصویر روبرو بھی نہیں

پہلے خاموشیاں ترستی تھیں
اب تو مابین گفتگو بھی نہیں

ان پہ بھی رکتی ہے نظر مینا
یعنی جو لوگ خوبرو بھی نہیں

• • •

✠

ساتھ اس کو نہ کسی طور بھی چلنا آیا
ہاں مگر اس کو فقط راہ بدلنا آیا

میں تو اس بات پہ بھی شکرِ خدا کرتی ہوں
میرے گر جانے سے لوگوں کو سنبھلنا آیا

چوٹ جب دل پہ لگی اس کے تو آئے آنسو
ہائے کس طرح سے پتھر کو پگھلنا آیا

جھک گیا خود ہی تکبّر سے اٹھا سر اس کا
جب بلندی سے نشیبوں میں پھسلنا آیا

اس نے اک بار مجھے شمع کہا تھا ہنس کر
تب سے تقدیر میں ہر رات کا جلنا آیا

مینؔا اس دن سے ہیں تنہائیاں ساتھی اپنی
جب سے جذبات کو سینے میں مچلنا آیا

• • •

✠

کسی نے میرے یقیں پر پھر اک شگاف کیا
کسک نے سینے کی مجھ پر یہ انکشاف کیا

ذرا سا رائے سے اس کی جو اختلاف کیا
تو اس نے سارا قبیلہ مرے خلاف کیا

جو سارے گھر کی امیدوں کا بوجھ تھا مجھ پر
ضرورتوں نے مرا عمر بھر طواف کیا

گزر کے ہر کس و ناکس کے پاس سے اس نے
مرے وجود کے ہونے سے انحراف کیا

وہ چھو کے مجھ کو قسم جھوٹی کھا گیا لیکن
یہ میرا ظرف تھا ہر بار جو معاف کیا

مجھے یہ اس کی خموشی بتا گئی میناؔ
کہ رستہ ترکِ تعلق کا اس نے صاف کیا

• • •

آہ کیوں بااثر نہیں ہوتی
اس کو میری خبر نہیں ہوتی

میرا محفل میں جی نہیں لگتا
اس سے تنہا بسر نہیں ہوتی

غم کی تنہائیوں کی، فرقت کی
رات کی کیوں سحر نہیں ہوتی

ہم نشیبوں کے رہنے والوں کی
کہکشاں رہ گزر نہیں ہوتی

سچ کو سولی تلک پہنچنا ہے
یہ خطا در گزر نہیں ہوتی

جس طرف چاہے چل پڑے مینا
دل کی کوئی ڈگر نہیں ہوتی

• • •

منزل سے فاصلوں کا نہیں کوئی غم مجھے
گم کر چکے ہیں راستوں کے پیچ و خم مجھے

سینے میں ہوک اٹھتی ہے دل خون روتا ہے
جس دم بھی یاد آتے ہیں تیرے کرم مجھے

میں تھک چکی ہوں چل کے وفاؤں کی راہ میں
آتے نہیں نظر ترے نقشِ قدم مجھے

یوں ریزہ ریزہ دیکھ کے خود اپنی ذات کو
آتی ہے یاد آج بھی تیری قسم مجھے

سرشار رکھتی ہے مجھے ہر لمحہ اس کی یاد
جو عمر بھر کا دے گیا رنج و الم مجھے

سب میرے درد سینے میں اپنے اتار کے
مینا تسلی دیتے ہیں کاغذ قلم مجھے

• • •

دراصل

زندگی کے اندھیروں کو روشنی بنا کر جینے کا ڈھنگ بادِ صرصر کو بادِ صبا اور نسیم سحر میں بدل کر اپنی راہوں کو منوّر اور تابناک کرنے کے ہُنر سے ڈاکٹر مینا نقوی خوب واقف ہیں۔ انھوں نے کبھی پل پل کو برسوں کی طوالت میں تو کبھی برسوں کو لمحوں میں میں گزرتے دیکھا ہے۔ غم اور خوشی، اضطراب اور سکون کے درمیان روز و شب کو کیسے گزارا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں مچلنے والے یہ احساسات لفظوں، مصرعوں اور شعروں میں اظہر من الشمس ہیں۔ اختلاف کو اتفاق میں، تضحیک کو تصریف میں، نفرت کو محبت میں کیسے بدلا جاتا ہے۔ یہ جاننا ہو تو ڈاکٹر مینا نقوی کی شاعری کو دل کی آنکھوں اور کھُلے ذہن سے پڑھا اور سمجھا جائے۔

انھیں موضوعات، مشاہدے اور محسوسات کے علاوہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلی ایک ارب سے زیادہ کہانیوں میں مل جاتے ہیں۔ کوئی منظر کوئی واقعہ، کوئی حادثہ جب ان کے احساسات کو جھنجھوڑتا ہے تب ہی وہ کاغذ پر قلم چلاتی ہیں۔ ان کی شاعری میں آمد ہی آمد ہے۔

مینا نقوی انتہائی زود گو ہیں بسیار گو نہیں ہیں۔ بے شک فطرت نے انھیں غیر معمولی قوّتِ ناظمہ سے نوازہ ہے ان کے مزاج میں تلوّن کی کوئی جگہ نہیں، وہ متوازن زندگی کی حامی ہیں۔ وہ اپنے سماج اور ملکی نظام میں بھی توازن چاہتی ہیں چاہے وہ سیاسی بساط ہو کر معاشرتی، چاہے انسانی برادری کے مابین تعلق ہو، میں نے انھیں ان میں نہیں بلکہ اُن کی شاعری میں دیکھ کر پہچانا ہے۔

وہ جس حسنِ صورت و سیرت کی مالک ہیں اُن کی تخلیقات بھی اُتنی ہی خوبصورت اور دلکش ہیں۔ اُن کے حسین پیکر میں بہت خوبصورت دل ہے جس کو سوز و گداز، عرفان و وجدان کی دولت سے مالکِ کل سے نوازا ہے۔ مینا نقوی ناکامیوں کی وجوہ تلاش کر کے کامیابیوں کی راہوں میں نئی تمنا، نئی جستجو کے ساتھ زندگی کو رواں دواں رکھتی ہیں۔

✠

کل تک جو ہم سے ملتے تھے احباب کی طرح
اب عطر بھی چھڑکتے ہیں تیزاب کی طرح

میں نے حقیقتوں سے مفر چاہا اس لیے
ملنے کی آس اس سے رہی خواب کی طرح

دامانِ شب میں چاند کے چھپنے کے بعد ہی
جگنو چمکنے لگتے ہیں مہتاب کی طرح

یارب مری حیات کی کشتی کی خیر ہو
تنہائیوں نے گھیرا ہے گرداب کی طرح

خوشبو کسی خوشی کی جو مینا نہیں تو کیا
غم ساتھ ہیں مرے گلِ شاداب کی طرح

• • •

✠

وقت بدلا تو وہ بھی بدلنے لگے
سائباں برف کے تھے پگھلنے لگے

دل جو یادوں کی گرداب میں آگیا
آنکھ سے غم کے طوفاں ابلنے لگے

اک اکیلا مسافر سمجھ کر مجھے
قافلے غم کے ہمراہ چلنے لگے

میں نے خوشبو جو ڈالی سے مانگی ذرا
چپ رہے پھول کانٹے مچلنے لگے

میری صبحیں اندھیروں میں ڈوبی رہیں
دن کے سورج بھی رستے بدلتے رہے

عمر کی راہ میں منزلیں ہیں بہت
مینا ہم بھی اٹھے اور چلنے لگے

• • •

جس کو دعا میں مانگا تھا تاثیر کی طرح
زخمی وہ کر گیا ہے مجھے تیر کی طرح

چاہت کی جستجو میں جو پھرتی ہے دربدر
چاہا گیا تھا اس کو کبھی ہیر کی طرح

اک دن ضرور سمجھیں گے وہ اس کی عظمتیں
عورت کو جو سمجھتے ہیں جاگیر کی طرح

امکان جس کے ملنے کا باقی نہیں رہا
مل جائے کاش خواب میں تعبیر کی طرح

وہ نام جس سے ہوگئی بے نام زندگی
دل کے ورق پہ ابھرا ہے تحریر کی طرح

مینؔا وہ سارے لمحے نہ آئیں گے لوٹ کر
ہے عکس جن کا آنکھوں میں تصویر کی طرح

• • •

ادب میں بے حسی سی لگ رہی ہے
عجب مشکل گھڑی سی لگ رہی ہے

یہ فکروفن کی محفل اور یہ جلوے
مجھے آوارگی سی لگ رہی ہے

امیدیں ہیں ابھی سورج کا چہرہ
ابھی اِک روشنی سی لگ رہی ہے

یہ گھر کے صحن میں لٹکی ہوئی لاش
سبھی کو خود کشی سی لگ رہی ہے

نہیں ہے آئینے میں عکس میرا
یہ عورت دوسری سی لگ رہی ہے

کبھی شعلہ بھی بن سکتی ہے مینا
جو چنگاری دبی سی لگ رہی ہے

• • •

✠

ڈر جس کا صبح سے تھا وہی بات ہوگئی
سورج غروب ہوگیا اور رات ہوگئی

جو آس بچ گئی تھی ترے انتظار میں
لو آج وہ بھی موت کی سوغات ہوگئی

آنکھوں نے اس سے راز تمنا چھپا لیا
سادہ دلی کو میری بڑی مات ہوگئی

تنہائیوں نے دیکھا گزرتے ہوئے مجھے
ہمراہ میرے گردش حالات ہوگئی

آنکھوں کو میرے دے گیا بادل فراق کے
دل کی زمیں پہ رنج کی برسات ہوگئی

• • •

✠

چاہتوں کی سرد مہری سے پگھلتی دوپہر
اشکوں کے سیلاب میں آنکھوں سے ڈھلتی دوپہر

مجھ کو جھلسایا ہے یوں تنہائیوں کی دھوپ نے
صبح سے تا شام جیسے ساتھ چلتی دوپہر

ابر الفت کا ہٹا دیتی ہے نفرت کی ہوا
بے حسی کی دھوپ لے کر جب نکلتی دوپہر

جب سے سورج چھپ گیا ہے بادلوں کی اوٹ میں
تیرگی میں شام کی خود کو بدلتی دوپہر

کوئی سایا ہے نہ ٹھنڈک اور نہ کوئی سائباں
خود ہی اپنی آگ میں اے مینا جلتی دوپہر

• • •

اشکوں سے اپنی آنکھوں کو تر کرکے دیکھنا
پھر زندگی کو دل کی خبر کرکے دیکھنا

تم کارواں کے ساتھ تو چلتے رہے سدا
اب ہم سفر بغیر سفر کرکے دیکھنا

کردار پر لگانا کسی کے جو تہمتیں
خود اپنے آپ پر بھی نظر کرکے دیکھنا

آسان ہو حصول تو پھر جستجو کہاں
منزل کو ساری عمر ڈگر کرکے دیکھنا

آرام کس کو ہوگا یہ دل سے نکال کر
پودے کو سایہ دار شجر کرکے دیکھنا

محلوں میں رہنے والوں کو رہنا ہی پڑتا ہے
دل میں کسی کے چھوٹا سا گھر کرکے دیکھنا

بڑھ جائے جس سے مینؔا چراغوں کو روشنی
راتوں کی تیرگی میں سحر کرکے دیکھنا

• • •

آنکھوں میں میری اشکوں کے دریا ابال کے
وہ غم کے مجھ کو دے گیا تحفے کمال کے

میں اس کے اعتبار کی حد میں تھی اس قدر
وہ مجھ کو آزماتا تھا سکّہ اچھال کے

امید ناخدا سے لگائی غلط کیا
طوفاں ہی لے گیا مری کشتی سنبھال کے

ٹوٹے دلوں کا دیکھیے احساسِ صبر و ضبط
چہرے پہ رنج ہے نہ اثر ہیں ملال کے

کیسے سنبھالوں مینؔا سفینہ حیات کا
گرداب چاروں سمت ہیں خواب وخیال کے

• • •

✠

یہ بات جدا ہے جینے کو، سکھ چین کا اک پل کافی ہے
قدموں سے ہمارے لپٹی ہوئی، تنہائی کی دلدل کافی ہے

ممکن ہی نہیں خوددار زمیں، کچھ مانگے فلک کی وسعت سے
جلتے ہوئے اس کے ذرّوں کو، اک خشک سا بادل کافی ہے

مغرب سے ابھی تک دور ہیں ہم، یہ بات بتانے کی خاطر
لہراتا ہوا شانے پہ ابھی، مشرق کا یہ آنچل کافی ہے

موجوں کے تھپیڑے کھا کر بھی، ٹوٹی ہوئی کشتی باقی ہے
خاموش سمندر میرے لیے، اتنا ہی ترا چھل کافی ہے

یہ خود روپودوں کا گلشن، کب تک میں سجاؤں اے میناؔ
احباب کے دل میں اگتا ہو، اُمید کا جنگل کافی ہے

• • •

✠

نہ آئے گا تھی خبر پھر بھی انتظار کیا
ٹھہر کے لمحوں نے صدیوں پہ اختیار کیا

اجالے پوچھ حقیقت تو میری شبنم سے
کہ کیسے رات نے آنکھوں کو اشکبار کیا

یہ جان تیری تھی جب چاہے مجھ سے لے لیتا
بتا کہ پشت سے کیوں تو نے مجھ پہ وار کیا

تھکن سے ہوگیا خاموش شام ہوتے ہی
خود اپنے قطروں کا دریا نے جب شمار کیا

مری وفا کی بھی دی اس نے بار بار سزا
گناہ میں نے کیا اور بار بار کیا

ملا تو کر گیا دل کو اداس اے مینا
بچھڑ گیا تو مجھے اور بے قرار کیا

• • •